حکومتِ پاکستان سے منظور شدہ

اصلاحِ معاشرہ

مرزا محمد نوازش علی بیگ

بی ایس سی - ایم - اے (تاریخ) ایم - اے (سیاسیات)

بیگ پبلی کیشنز ریلوے روڈ جہلم

پیش لفظ

خالق کائنات نے اپنی خلق کردہ اشیاء میں سے بیشتر کو انسان کا مطیع کر دیا کیونکہ بنی نوع انسان کی بہتری کے لیے ان سے کام لینے کی تمام صلاحیتیں انسان کو پروردگارِ عالم نے عطا کر دیں۔

قدیم و جدید تمام مورخین اور فلاسفر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ فطری طور پر انسان امن پسند ہے۔ مگر انسان کے دشمن شیطان نے انہی انسانوں میں سے بیشتر کو بہکا کر اپنے پیچھے غلط راہ پر اس طرح چلا لیا ہے کہ شریف جانور وحشی جانور بن گیا ہے اسی وحشت و بربریت کو ختم کرنے اور انسان کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے درج ذیل کتاب بعنوان "اصلاحِ معاشرہ" پیش خدمت ہے اور پروردگارِ عالم سے دعا ہے کہ اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ کے طفیل بنی نوع انسان کو امن و سلامتی سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خیر اندیش

مرزا محمد نوازش علی بیگ

نام کتاب ------ "اصلاح معاشرہ"

مصنف ------ مرزا محمد نوازش علی بیگ

پبلشر ------ بیگ پبلیکیشنز ریلوے روڈ جہلم

طباعت ------ حافظ پرنٹنگ پریس، جہلم

رحمان پرنٹرز لاہور

تعداد اشاعت ---- ایک ہزار

قیمت ---- سو روپیہ صرف

انتساب

مسلمان نوجوان نسل کے نام جو صراطِ مستقیم
اپنا کر منزلِ مقصود پہ پہنچنا چاہتی ہے۔

مرزا محمد نوازش علی بیگ

فہرست

اصلاحِ معاشرہ

و اس کائنات کا خالقِ حقیقی۔ یعنی حقیقی مقتدرِ اعلیٰ۔ محافظ و پروردگار۔ ربّ العالمین۔ خدائے بزرگ و برتر۔ احد یعنی وحدہٗ لا شریک ہے۔ جس نے ہر شئے خشک و تر خلق کی اور پھر بنی نوعِ انسان کو ہر شئے پر فوقیت دی کیونکہ اسے اپنا نائب بنایا اور انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا جیسے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٘ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ (پ ۳۰۔ التین۔ ۴ تا ۶)

(کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا پھر اس کو پست سے پست کر دیا۔

و مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لئے بے انتہا اجر ہے)

خدا ابنی چوتھی و آخری کتاب قرآن پاک میں جو اپنے آخری نبی یعنی خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی طرف اصلاح معاشرہ کے لئے نازل فرمائی۔

اور یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

آیت ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔

(یہ ایسی کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں)

سورہ التین میں خدا پاک وضاحت فرما رہے ہیں کہ بے شک انسان کو پروردگار نے نہایت اچھی صورت میں پیدا کیا یعنی احسن تقویم۔ اور پھر خدا نے خود ہی اس انسان کو پست سے پست کر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لئے بہترین اجر ہے۔ ثواب ہے، نیکی ہے، صلہ ہے، بدلہ ہے۔

• جیسا کہ آیات سے ظاہر ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُس کی آزمائش کی اور اسے پست سے پست کر دیا مگر جو لوگ صبر کرتے رہے اور استقلال پر قائم رہے ان کے لئے پروردگار نے بہت بڑا صلہ رکھا ہوا ہے اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشادِ قدرت ہوتا ہے۔

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝ (سورہ التین - ۶ - ۷)

(تو پھر تو جزا کے دن کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ کیا خدا سب سے بڑا حاکم نہیں ہے)

• پروردگار ارشاد فرما رہا ہے اور بنی نوع انسان سے پوچھ رہا ہے

کہ تو قیامت کے دن کو کیوں جھٹلاتا ہے اور عمل صالح کیوں نہیں کرتا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا سے بڑا کوئی اور حاکم ہے۔

▪ بے شک خدا ہی حاکم حقیقی ہے۔ اُس سے بڑا کوئی حاکم نہیں۔ مگر ہم لوگ خدا کے حکم پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم جاہل ہیں۔ اُس کے حکم پر عمل نہیں کرتے۔ حالانکہ اُس نے بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جو اپنے اپنے معاشرہ کو راہِ راست پر لانے اور سدھارنے میں مصروف رہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء۔۶۴)

(ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے۔ اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے تحت اس کی اطاعت کی جائے)

مقصدِ خدا یہ ہے!

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

(خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اُس حاکم کی جو تم میں سے ہو)

بنی نوع انسان کا کام یہ ہے کہ خدا کی طرف سے آئے ہوئے رسول کی اطاعت کریں۔ فرمانبرداری کریں۔ اُس کا کہا مانیں۔ اُس کے بتائے ہوئے راستے کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ خدا سے اجرِ عظیم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جیسا کہ فرمان ہوتا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج ۔ (البقرہ - ۱۷۲)

(یہ تو کوئی نیکیوں میں نیکی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی تو اس کے لئے ہے جو اللہ پر ۔ روزِ قیامت پر ۔ ملائکہ پر ۔ کتابِ خدا پر اور نبیوں پر ۔ ایمان لایا ہو ۔)

• خدا ایمان لانے والوں کی شناخت کروا رہا ہے ۔ اور بنی نوع انسان کو واضح طور پر سمجھا رہا ہے کہ خدا پر ۔ خدا کے ملائکہ پر ۔ خدا کی کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لانے والے نیک لوگ ہیں اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ نبی ہیں کون لوگ ؟

ارشادِ خداوندی ہے !

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

(انعام ۸۹)

(یہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی ۔ حکم AUTHORITY سے سرفراز کیا اور نبوت عطا کی)

• یعنی نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے کتابیں نازل کیں ۔ حکم سے سرفراز کیا AUTHORITY دی ۔ نبوت دی اور بنی نوع انسان کو حکم دیا کہ تم نبیوں پر ایمان لاؤ ۔ کتابوں پر ایمان لاؤ ۔ روزِ آخرت پر ایمان لاؤ اور ملائکہ پر ایمان لاؤ ۔ نبیوں کی اطاعت کرو ان کا حکم مانو ۔

و حضرت محمد مصطفےؐ سے پہلے جتنے نبیؑ بھی آئیں دنیا میں مبعوث ہوئے ۔ سب کے سب ایک خاص اُمّت کے لئے ۔ قوم کے لئے ۔ ایک خاص وقت کے لئے بھیجے گئے ۔ اور وہ اپنا اپنا کام کر کے انتقال فرما گئے ۔ مگر ہمارے نبی پاکؐ قیامت تک کے لئے تمام قوموں ۔ انسانوں ۔ امتوں کے واسطے نبیؐ بنا کر بھیجے گئے اور دوسرے تمام نبیوںؑ کے ماننے والے ۔ پیروکار پابند ہیں ۔ حضرت محمد مصطفےؐ پر ایمان لانے اور اِن کے احکام کی تعمیل کرنے کے ۔ اسی میں بنی نوعِ انسان کی بھلائی ہے ۔ بہتری ہے ۔ اصلاح ہے ۔

و ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ پروردگار نے ہمیں حضرت محمد مصطفےؐ کی امت میں پیدا کیا جو کہ رحمتہ العالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ یعنی عالمین کے لئے رحمت ۔

رحمت اللعالمین

حضرت محمد مصطفےؐ عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی ذات اقدسؐ سے بنی نوع انسان آج بھی فیضیاب ہو رہی ہے ۔ قرآن پاک میں دوسرے نبیوں نے اپنی امت کی تباہی کے لئے بدعا مانگنے کی وضاحت فرمائی ہے ۔ یعنی جب خدا کے حکم کے مطابق نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کی اصلاح کے لئے لوگوں کو ہدائیت و تلقین کرنے کے باوجود ناکامی دیکھی اور لوگ اپنی پرانی بُری عادتیں ترک کرنے کو تیار نہ ہوئے تو نبی مذکور نے اپنے پروردگار یعنی حاکم حقیقی سے عرض کی کہ لوگ میری اُمّت کے میری بات نہیں مانتے تو خود ہی ان کو تباہ کر دے تو خدائے بزرگ و برتر نے اپنے نبیوں کی دعائیں قبول فرمائیں اور نبی سمیت نیک لوگوں کو بچا لیا اور نافرمانوں کو تباہ کر دیا ۔

حضرت نوح علیہ السلام :-

حضرت نوح علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی تھے ۔ قرآن پاک اُن کی

برگزیدگی کی گواہی دیتا ہے ۔ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے ۔ مگر قوم نوح علیہ السلام اُن کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئی ۔ نتیجہ اُن کی تباہی نکلا ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی اپنی قوم کے حق میں ارشادِ خداوندی ہوتا ہے ۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾

(الشعراء - ۱۰۵ تا ۱۱۰)

(قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ۔ جب اُن سے اُن کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں ۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کام کا تم سے صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو خدائے ربّ العالمین ہی پر ہے تو خدا سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو)

• مندرجہ بالا آیات سے خدا پاک خود ہی وضاحت فرما رہے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا سے ڈرنے ۔ غلط راستہ ترک کرنے اور حضرت نوح علیہ السلام کے نقشِ قدم

پر چلنے کی تلقین کی۔ مگر قوم نوح علیہ السلام نہ مانی اور کہنے لگی۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾

(الشعراء - ۱۱۶ تا ۱۲۰)

(انہوں نے کہا کہ نوحؑ۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے (نوحؑ نے) کہا کہ پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے۔ اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں اُن کو بچا لے۔ پس ہم نے ان کو اور جو اُن کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں سوار تھے ان کو بچا لیا۔ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔)

پس واضح ہوا کہ جب حضرت نوحؑ کی قوم نے اپنے نبی کے راستے پر چلنے سے انکاری کی اور انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔ تو نوحؑ نے اپنے پروردگار سے گزارش کی کہ میرے اللہ میری قوم میرا کہا نہیں مانتی اور مجھے جھٹلاتی ہے۔ تو خود ہی فیصلہ کر۔ تو خدائے بزرگ و برتر نے نوحؑ اور اُن کے ساتھ نیک لوگوں کو بچا لیا اور باقی ساری قوم کو

غرق کردیا۔ حضرت نوح علیہ السلام گو کہ برگزیدہ نبی تھے مگر تنگ آکر خدا سے اپنی قوم کی تباہی کی بددعا کر بیٹھے۔

★

حضرت موسیٰ ع

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ وہ بھی خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو اپنی اطاعت کے لئے کہتے رہے۔ خدا کے حکم کے مطابق حضرت موسیٰ ع اور حضرت ہارون ع دونوں فرعون کو خدا کا فرمانبردار بنانے کیلئے گئے۔ مگر فرعون تو اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ اور اُس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو گیا اور اُن کو اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے درپے ہوا۔ مگر خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھ نیک لوگوں کو بچا لیا مگر باقی سب کو غرق کر دیا۔

قرآن پاک اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ

إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ أَنْ كُنَّآ أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوْسٰٓى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيْٓ إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَأَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَأَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ أَصْحٰبُ مُوْسٰٓى إِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

فَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوْسٰٓى أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ أَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾

(الشعراء ـ ۴۹ تا ۶۶)

(فرعون نے کہا: کیا اس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے ۔ بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے ۔ سو عنقریب تم معلوم کر لو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطراف مخالف سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا ۔

انہوں نے کہا کچھ نقصان نہیں ۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف جانے والے

ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا اس لئے کہ ہم اوّل انعام لانے والوں میں ہیں۔

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو رات کو لے کر نکلو کہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کئے۔ کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور ہم سب باساز و سامان ہیں۔ تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا ہے اور خزانوں اور نفیس مکانات سے۔ اسطرح اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا تو انہوں نے سورج نکلتے اُن کا تعاقب کیا۔ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں۔ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے ۔۔ مجھے راستہ بتائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا ہو گیا گویا بڑا پہاڑ اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھ والوں کو بچا لیا۔ پھر دوسروں کو ڈبو دیا)

▪ مندرجہ بالا آیات سے واضح ہو گیا کہ خدا کے بھیجے ہوئے نبی کو اس قوم نے بھی جھٹلایا۔ اُس کی پیروی کرنے سے انکار کیا۔ اطاعت نہ کی اُسے ختم کرنے کی کوشش کی تو خدائے بزرگ و برتر نے اس قوم کو تباہ کر دیا جیسا کہ فرعون مصر اور اس کے ساتھیوں کو غرق کیا۔

حضرت ھودؑ

حضرت ھودعلٰا کو بھی اُن کی قوم عاد نے جھٹلایا اور حضرت ھودؑ کی ہدایات کے باوجود اُنہوں نے شرک کرنے سے توبہ نہ کی اور حضرت ھود علیہ السلام کی اطاعت نہ کی۔ قرآن پاک میں اسطرح ذکر کیا گیا ہے

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾

(الشعراء - ۱۲۳ تا ۱۲۶)

(عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی ھُود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ تو خُدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو)

حضرت ھود علیہ السّلام نے بھی اپنی قوم عاد سے یہی کہا کہ خدا کو ایک مانو۔ اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میرے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ جیسے میں کہتا ہوں اُس پر عمل کرو۔ اسی میں تمہاری بہتری و بھلائی ہے۔ مگر قوم عاد نے کہا :

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

(الشعراء - ۱۳۶ تا ۱۳۹)

(وہ کہنے لگے ہمیں خواہ نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے - یہ تو اگلوں ہی کے طریق ہیں - اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا - تو انہوں نے ھود علیہ السلام کو جھٹلایا سو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا - بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے)

مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ قوم عاد نے خدا کے بھیجے ہوئے نبی حضرت ھود علیہ السلام کی اطاعت کرنے سے انکار کیا - اُن کو نبی ماننے سے انکار کیا - اُن کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے کے لئے تیار نہ ہوئے - حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلایا تو حضرت ھود علیہ السلام کے کہنے پر پروردگار نے اُن کی قوم کو ہلاک کر ڈالا -

★

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف بھیجا تاکہ وہ خدا کی حقانیت بیان فرمائیں۔ اصلاحِ معاشرہ کریں۔ مگر قوم ثمود نے بھی اُن کی طرف بھیجے ہوئے نبی یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ قرآن پاک گواہ ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾

(پ ۱۹۔ الشعراء ۔ ۱۴۱ تا ۱۴۴)

(ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں ۔ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو)

• مگر قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے ۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾

(الشعراء ۔ ۱۵۳ تا ۱۵۸)

(وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو ۔ اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو ۔

کہا ! یہ اونٹنی ہے اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری اور اسکو کوئی تکلیف نہ دینا تم کو سخت عذاب آپکڑے گا

تو انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ ڈالیں ۔ پھر نادم ہوئے ۔ سو اُن کو عذاب نے آپکڑا ۔ بے شک اِس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے)

مقصدِ خدا یہ ہے کہ بنی نوع انسان خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں کے احکام کی بجا آوری کریں اور خدا کے عذاب سے بچیں ۔ مگر قوموں کی بد قسمتی یہ تھی کہ وہ اپنے اپنے وقت کے نبی کو جھٹلاتے رہے اور خدا انہیں تباہ و برباد کرتا رہا ۔ قوم لوط نے بھی حضرت لوط علیہ السلام کا کہا ماننے سے انکار کر دیا ۔ تو خدا نے انہیں بھی تباہ و برباد کر دیا ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قوم لوط نے بھی اپنے نبی یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا ۔

حضرت لوطؑ

وَ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

(قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب اُن سے اُن کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں اور خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔)

مگر قوم لوط نے لوطؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگی۔

وَ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ... اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

(وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے۔ کہا! کہ

میں تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دے۔ سو ہم نے اُن کے گھر والوں کو اور اُن کو نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔)

یہ تمام واقعات بیرت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خدائے بزرگ برتر نے جتنے انبیاء علیہ السلام اس دنیا میں قوموں کی اصلاح کیلئے بھیجے۔ وہ سب لوگوں کو خدا کے احکامات کی طرف بلاتے رہے۔ جب قوموں نے اُن انبیاء کو تنگ کیا اور جھٹلایا تو انہوں نے خدائے بزرگ و برتر سے اپنی اپنی قوموں کو ہلاک کرنے کی گزارش کی۔ تو پروردگار انہیں تباہ کرتا رہا۔

ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰؐ کو پروردگار نے رحمت العالمین بنا کر بھیجا۔ یعنی عالمین کے لئے رحمت۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے خود بھی تکلیفیں اٹھائیں اور اُن کے اصحاب نے بھی مگر آپؐ نے پروردگار سے اپنی امت کی تباہی و بربادی کے لئے دُعا نہیں مانگی بلکہ ہماری مغفرت کے لئے خدا سے دعا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم میں تمام برائیاں ہونے کے باوجود اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔ حضرت رسول پاکؐ کو جو تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ اُن کی مختصر سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

مصائب و تکالیف

حضرت رسولِ پاکؐ نے دین اسلام کے درخت کی آبیاری اس طرح کی جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

- مکہّ سے مدینہ ہجرت کی۔
- بدر کے میدان میں روزے رکھے۔
- احد کے میدان میں یعنی پہاڑوں کی وادی میں اپنے دندان مبارک شہید کروائے۔
- خندق میں اپنے پیٹ پہ دو پتھر باندھ کر خندق کھودی۔
- خیبر میں چالیس دِن تک خیمہ زنی کی۔
- طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے۔ فرمانِ خدا ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

(گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی۔ پھر اس کو تقویت دی۔

پھر وہ گدرائی - پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوئی - کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے - تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں -)

خدا کا فرمان برحق ہے - بے شک حضرت رسول پاکؐ نے دینِ اسلام کی تبلیغ ایسے ہی کی کہ یہ شجرۂ طیبہ پھلتا پھولتا چلا گیا اور قیامت تک ایسے ہی سرسبز و شاداب رہے گا - اس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان پر اور مشرک و کفار اس سے جلتے ہیں - کیونکہ اس شجرِ طیبہ کو سرسبز و شاداب بنانے کے لئے خاندانِ رسالت نے اپنا خون دیا -

● حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے پیٹا گیا - رنج اور نیزوں سے زخمی ہو گیا - لیکن بایں ہمہ آپؐ نے سلسلہ تبلیغ جاری فرمائے رکھا - شدت پیاس کے وقت آپؐ نے پانی مانگا تو میں ایک جھونپڑی کی طرف گیا کہ پانی لاکر خدمتِ اقدس میں پیش کروں - لیکن مڑ کر دیکھا تو سرکارِ دو عالم خود بھی تشریف لا رہے ہیں -

میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں پانی لاکر حاضرِ خدمت کر دوں گا - آپؐ نے فرمایا - ہو سکتا ہے کہ جھونپڑی میں انسان ہو اُس تک پیغام توحید میں خود پہنچا کر بعثت کے مقصد کو میں خود پورا کروں - چنانچہ جھونپڑی سے ایک آدمی باہر آیا - اس سے میں نے پانی مانگا - اُس نے حضور اقدس کی ذات بابرکت کے متعلق پوچھا - یہ کون ہیں - آپؐ نے خود اپنا تعارف

کروایا۔ میرا مولد مکہ ہے ۔ مقام ہجرت مدینہ اور میرا نام محمد عربی ہے
اُس نے یہ سُن کر عہد کے پیشِ نظر پانی دینے سے انکار کردیا ۔ زید رضؓ
فرماتے ہیں ۔ میں نے عرض کیا ۔ یارسُول اللہ ﷺ اس کے حق میں بددعا فرمائیے
آپ ﷺ نے فرمایا ! زید رضؓ میں دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ میں
بددعا نہیں کرتا ۔ ہوسکتا ہے کہ اس قوم کی آئندہ نسل مشرف باسلام ہو
جائے ۔ آپ ﷺ کے متعلق ارشاد رب العزت ہے ۔ (مقالاتِ سیرت)

و فبما رحمة من الله كنت لهم لو كنت فظاً غليظ
القلب لا نفضوا من حولك ۔

(اے محبوب آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لئے نرم مزاج
واقع ہوئے ہیں ۔ خدانخواستہ اگر آپ سخت ہوتے تو دنیا والے آپ
کے قریب نہ آتے)

و آپ ﷺ نے قلیل عرصہ میں قرآنِ پاک کو مکمل ضابطہ حیات بنادیا
و مصر کے مقوقس بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سے دریافت کیا تو
انہوں نے مشترکہ جواب دیا ۔
اے بادشاہ ! ہم نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ۔ جو موت کو زندگی
سے زیادہ محبوب رکھتی ہے ۔ کبر و نخوت کی بجائے تواضع کو پسند کرتی ہے

اس قوم کا کوئی فرد کبھی دُنیا کو مرعوب نہیں رکھتا اور نہ دنیا سے بے رغبتی انہیں ملول و رنجیدہ کرتی ہے ۔ زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور سواریوں پر کھانا انہیں دشوار نہیں۔ ان کے مریدوں میں امیر و غریب اسطرح مساوات سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ کوئی چھوٹا بڑا معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ غلام و آقا میں فرق محسوس نہیں ہوتا جب ان کی نماز کا وقت آتا ہے تو ان میں کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہتا جو عبادت میں حاضر نہ ہو۔ یہ لوگ نماز سے پہلے ہاتھ مُنہ دھو لیتے ہیں اور نماز نہایت خشوع و خضوع سے پڑھتے ہیں ۔

یہ جواب سُن کر مقوقس نے کہا۔ اگر یہ قوم پہاڑ کو اکھیڑنے کا ارادہ کرلے تو یقیناً اس میں کامیاب ہوگی۔ دنیا میں کوئی بھی قوم اس سے لڑ کر فتح حاصل نہیں کرسکتی۔

• مصر کے بادشاہ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ کیونکہ جو قوم اپنے حاکم وقت کی اسطرح اطاعت کرے کہ اپنا دھن و من، تن سب کچھ اُس کے صرف ایک اشارے پر قربان کردے تو ایسی قوم کے لئے دنیا و آخرت میں اجرِ عظیم ہے ۔ یہ کائنات کے حاکم حقیقی کا وعدہ ہے اور پھر جس قوم کے پاس حضرت محمد مُصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا رہبر و رہنما موجود ہو وہ کیسی کامیاب و کامران ہوگی ۔

■ طائف میں جب سرکارِ دو عالمؐ نے پیغام حق پہنچانے کے لئے قبیلہ بنو ثقیف کی طرف اس امید پر رُخ کیا کہ وہ آپکی مدد کریں گے

اور آپؐ کو پناہ دیں گے تو قریش کے تین سردار جو آپس میں بھائی تھے۔ عبدیالیل۔ حبیب اور مسعود بن عمرو کے پاس تشریف لے گئے جو اپنی امارت کے نشہ میں چور تھے۔ تو وہ کہنے لگے۔

• ایک نے کہا (کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو پیدل کیوں چلتے ہیں ؟

• دوسرا کہنے لگا کہ کیا خدا کو کوئی اور شخص پیغمبر بنانے کیلئے نہ ملا تھا ؟

• تیسرے نے کہا (کہ آپؐ سچے ہیں تو آپؐ سے بات کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر آپؐ سچے نہیں تو بات کرنا ہی مناسب نہیں۔ حضورؐ بنو ثقیف سے ناامید ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا (

جو کچھ تم نے کیا کیا لیکن ان باتوں پر پردہ ڈالنا۔ مگر ان بدنصیبوں نے بچوں اور کمینوں کو آپؐ کے پیچھے لگایا۔ آپؐ پر پتھر برسائے۔ جن سے آپؐ زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا۔ جب آپؐ زخموں سے چور ہو جاتے تو بیٹھ جاتے مگر وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے۔ جب آپؐ پھر چلنے لگتے تو وہ پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ بُرا بھلا بھی کہتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ یہ فتنہ پرداز لوگ تین میل تک حضورؐ کا تعاقب کرتے رہے اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے

جوتے خون سے بھر گئے۔

• حضرت موسیٰ بن عقبہؓ کی روایت ہے کہ ساکنینِ طائف آپؐ کے راستے میں دو طرفہ صف بنا کر کھڑے ہو گئے یا بیٹھ گئے۔ جب آپؐ اس طرف سے گزرتے تو ہر قدم کے اٹھانے اور رکھنے پر وہ پتھر مارتے یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں پاؤں خون آلود ہو گئے۔

• اسی سفر میں فرشتہ غیب نے سرورِ کونینؐ سے پوچھا تھا کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے۔ لیکن آپؐ نے فرمایا "اگر یہ نہیں تو ان کی آیندہ نسلیں خدائے واحد پر ضرور ایمان لائیں گی"

اور آپؐ کو عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں ان کی وجہ سے پناہ پکڑنی پڑی۔ یہ دونوں اپنے باغ میں تھے۔ ثقیف کے ان کمینوں نے یہاں آکر آپؐ کا پیچھا چھوڑا۔ آپؐ نے انگور کے ایک درخت کے نیچے سایہ پکڑا۔ اور وہیں آرام فرما ہو گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپؐ کو دیکھ رہے تھے اور طائف کے کمینوں نے جو سلوک آپؐ کے ساتھ کیا وہ بھی ان کے علم میں تھا۔

ابنِ اسحٰق کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ بنی جمع کی ایک عورت راستہ میں آپؐ کے سامنے آئی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا دیکھ! تیرے سسرالیوں سے مجھے کس قدر اذیت پہنچی؟

جب حضورؐ کو قدرے اطمینان ہوا تو آپؐ نے اللہ پاک سے دعا کی اے اللہ! میں تجھی سے اپنی کم طاقتی اور لوگوں کے توہین کرنے کی شکایت

کرتا ہوں۔

اے ارحم الراحمین!

تو ہی کمزور اور ناتواں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے، تو مجھ کو کس کے سپرد کرتا ہے؟

اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ لیکن تیری عافیت اور تیری پناہ میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے ساری اندھیریاں روشن ہو گئیں اور دنیا و آخرت کے کام صلاحیت پا گئے۔

اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میرے اوپر تیرا غضب نازل ہو یا تیری ناراضگی میرے اوپر اترے۔ مجھے تیری رضامندی منظور ہے۔ جس طرح پر کہ تو راضی ہے۔ نہ مجھ میں سکت ہے نہ قوت مگر تیرے ہی بھروسے پر۔

• راوی کہتے ہیں کہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عقبہ اور شیبہ نے جب آپؐ کو دیکھا اور ایذا رسانی دیکھی تو رگِ حمیت کو جوش آیا۔ آپؐ کے پاس اپنے نصرانی غلام عداس کو انگور کا ایک خوشہ توڑ کر طباق میں رکھ کر بھیجا۔ عداس نے طباق آپؐ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا! کھایئے۔ حضورؐ نے انگور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ اور اس کے بعد انگور تناول فرمائے۔ عداس نے چہرۂ مبارک کو غور سے دیکھا اور کہا۔ خدا کی قسم یہ کلام یہاں کے

باشندے تو کہتے ہیں۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا۔ عدّاس تم کس شہر کے ہو؟

تمہارا دین کیا ہے؟

عدّاس نے کہا! میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں

حضورؐ نے فرمایا!

اس بھلے آدمی کے قریے کے۔ جن کو یونس عؑ بن متّی کہا جاتا ہے؟ عدّاس نے پوچھا!

آپؐ کو یونس عؑ بن متّی کی کیا خبر؟

آپؐ نے فرمایا!

وہ میرے بھائی نبی تھے۔ اور میں بھی نبی ہوں۔ عدّاس حضور کی طرف جھکا اور آپؐ کے سر مبارک اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چوما۔ (حیاۃ الصحابہ رضؓ۔ ص ۲۹۱ جلد دوم)

یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان پانچوں وقت نماز کی ہر رکعت میں پروردگار سے دعا مانگتے ہیں۔ یعنی سورہ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

(شروع کرتا ہوں خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ② مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ③ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ④ اِھْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

(سب طرح کی تعریف خدا ہی کو ہے۔ تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ انصاف کے دن کا حاکم۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے اپنا فضل کرم فرمایا۔ نہ اُن کے جن پر غصّے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔)

علمائے دین اور مفسرین کرام نے برحق فرمایا ہے کہ قرآنِ پاک دو ہیں۔ ایک کتابی شکل میں اور دوسرا عملی شکل میں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کتابی شکل میں قرآنِ پاک ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے اور خدا کے پاس لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ جو دانائی کا مخزن ہے اور عملی قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ بشری حیثیت میں موجود ہیں۔ جن کا ہر عمل قرآنِ پاک کی عملی تفسیر جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ طائف میں ذکر کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

دُعا کی۔ عرض کی پروردگارِ عالم سے۔

اے اللہ!

میں تجھی سے اپنی کم طاقتی اور لوگوں کے توہین کرنے کی شکایت کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی کمزور اور ناتواں کا رب ہے

تو ہی میرا رب ہے تو مجھ کو کس کے سپرد کرتا ہے؟
اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ لیکن تیری عافیت اور تیری پناہ میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے ساری اندھیریاں روشن ہوگئیں۔ اور دنیا و آخرت کے کام صلاحیت پا گئے۔
اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ میرے اوپر تیرا غضب ہو یا تیری ناراضگی میرے اوپر اترے۔ مجھے تیری رضامندی منظور ہے۔ جس طرح پر کہ تو راضی ہو۔ نہ مجھ میں سکت ہے نہ قوت مگر تیرے ہی بھروسے پر۔
مندرجہ بالا الفاظ سے سورہ الحمد کی تفسیر واضح ہو جاتی ہے پروردگار۔ عالمین کا رب ہے۔ تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو بڑا مہربان، رحمان اور رحیم ہے۔ بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔ جو بڑا انصاف پسند ہے۔ انصاف کے دن کا مالک ہے۔ ازل سے لیکر قیامت تک کی تمام مخلوق کے اعمال دیکھ کر فیصلہ کرے گا۔ نیک اعمال کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام ہے، جنت ہے۔ خدا کی طرف سے تمام نعمتیں ہیں۔ پروردگار اپنا وعدہ پورا کرے گا اور نیک لوگوں کو بہشت میں داخل کرے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ مگر برے اعمال کرنے والوں کے لئے سزا ہوگی۔ ان کے لئے دوزخ ہے۔ انہوں نے خدا کو برحق نہیں جانا۔ اس کے فرامین کو

جھوٹ سمجھا۔ اُس کے نبیوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اُن کی اطاعت نہیں کی۔ کفر و شرک میں اپنے آپ کو غلطاں رکھا۔ اُس کے بتائے ہوئے راستے پر عمل نہیں کیا۔

☆

جانثاروں کی قربانیاں

ایک عظیم فلسفی نے فرمایا !

کسی انسان کی عظمت کا محل و معیاد اسکی حقیقی کامیابی و کامرانی کی کسوٹی صرف اور صرف یہ ہے کہ اُس نے کتنے اور کس قسم کے لوگوں کے دِل و دماغ کو اس طرح مسحور و مسخر کرلیا کہ پھر انہوں نے اس کی دعوت پر اس طرح لبیک کہا کہ اپنا تن - من - دھن سب کچھ اس پر قربان کردیا اور اپنے آپ کو اس طرح اس کی فکر و نظر کی اشاعت کے لئے وقف کردیا کہ کوئی تعذیب و تعضب اور کسی کا تشدّد و تظلم انہیں جادۂ حق سے نہ ہٹا سکا -

حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی - ایثار کے ایسے پیکر تھے کہ انہوں نے ہر شے اپنے حاکم کے حکم پر قربان کردی اور اپنی کچھ بھی پرواہ نہ کی - حتیٰ کہ ایسی ایسی تکلیفیں برداشت کیں اور مصائب و آلام جھیلے کہ کوئی تصوّر بھی نہیں کرسکتا - مثال کے طور پر -

۱۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بہت سے عمائدین و اکابرین قریش کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا ان میں سے ایک جناب خالد بن سعیدؓ بھی تھے۔ ان کے باپ کو جب ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو ڈنڈا لے کر ان کے سر پر مارنا شروع کیا اور جب تک وہ ٹوٹ نہ گیا۔ مارتے رہے۔ اِن کا کھانا پینا بند کر دیا اور گھر سے نکال دیا اور بھائیوں کو اِن سے بات کرنے سے منع کر دیا۔ پھر جناب خالدؓ حضور نبی کریمؐ کے در پر آ گئے جہاں انہیں دولت۔ ایمان اور عزت۔ اسلام کے ساتھ ساتھ حضورؐ کی ذاتی محبت و شفقت بھی نصیب ہوئی۔

۲۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو جب اپنے بہنوئی سعید بن زیدؓ اور بہن فاطمہؓ کے اسلام لانے کا علم ہوا تو دونوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ لیکن اسلام کا نشہ اتنا کچا تو نہ تھا جسے ترشی و درشتی اتار سکتی۔

بہن نے کہا:

"عمر جو بن پڑے کر لو۔ لیکن اسلام دِل سے نہیں نکل سکتا۔"

۳۔ حضرت عمرؓ اپنی خاندانی کنیز لبینہ کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا۔ مگر جب خود حضرت عمرؓ نے قرآنِ پاک کی آیات سنیں تو اتنے متاثر و مرعوب ہوئے کہ بے اختیار پکار اُٹھے۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ

اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہ ،،

۴ ۔ قریش حضرت خبابؓ کو جلتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ لٹا دیتے ۔

۵ ۔ حضرت بلالؓ کو ان کا مالک امیہ جلتی ہوئی ریت پر دوپہر کے وقت لِٹا دیتا اور سینہ پر پتھر کی چٹان رکھ دیتا لیکن وہ پھر بھی اللہ اللہ کرتے تو اِن کے گلے میں رسّی باندھ کر لونڈوں کے حوالے کر دیتے جو انہیں شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتے پھرتے ۔ لیکن اسلام کا نقش دِل پر ایسا ثبت ہوا تھا کہ جور و جفا کے تمام ہتھیار کند ہو جاتے ۔

مگر خدا نے حضرت بلالؓ کو پھر رتبہ بھی وہ دیا کہ آپؓ کی اذان کے بغیر سورج بھی نہیں نکلتا تھا ۔

۶ ۔ حضرت عمّار اُن کے والد یاسر اور اِن کی ماں سمیہ بھی مسلمان ہو چکے تھے اور ان پر قریش نے تعذیب کے سارے تیر آزماتے ۔ لیکن انہیں اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے ۔ حتیٰ کہ حضرت یاسر اذیت سہتے سہتے ہلاک ہو گئے ۔

۷ ۔ حضرت صہیب رومی کو قریش اتنی اذیت دیتے کہ ان کے حواس کھو جاتے ۔

۸ ۔ حضرت ابو فکیہہ کے اسلام لانے کے بعد ان کا مالک صفوان بن امیہ ان کے پاؤں میں رسّی باندھ کر تپتی ہوئی ریت پر انہیں

گھسیٹتا۔ ان کا گلہ دباتا اور سینے پر بھاری تپتے ہوئے پتھر رکھ دیتا۔ حتیٰ کہ ان کی زبان باہر نکل پڑتی۔

۹۔ حضرت زہرہ کو ابوجہل نے اتنا مارا کہ وہ اندھی ہوگئیں۔

۱۰۔ حضرت ھندیہ اور ام عبیس کے ساتھ بھی ایسا ہی سفاکانہ سلوک کیا گیا۔

۱۱۔ حضرت ابوذر رضؓ اور حضرت زبیر بن العلوم کے اوپر بھی یہی عذاب توڑا گیا لیکن ان مظالم و مفاسد کے باوجود قریش کسی مسلمان کو دائرۂ اسلام سے انحراف پر مائل نہ کر سکے۔

وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین۔ عمیق ترین علم اور کم سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ جن کو اللہ نے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت۔ بابرکت اور دین کی سربلندی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ حق کی تڑپ ایسی کہ بلال حبشی رضؓ کوڑے کھا کر۔ خباب رضؓ جلتے ہوتے انگاروں پر لیٹ کر اور خبیب رضؓ سولی پر لٹک کر احد۔ احد پکارتے تھے۔ جہاد اسلام میں ایسا ثبات کہ مصعب رضؓ کا ایک ہاتھ جنگ میں کٹ جاتا تھا تو دوسرے ہاتھ سے پرچم اسلام تھام لیتے تھے۔ دوسرا ہاتھ بھی کٹ جاتا ہے۔ دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں اور گردن کا سہارا دے کر پرچم تھامے رہتے ہیں اور جب تک سر نہیں کٹ جاتا۔ پرچم نہیں گرنے دیتے۔

• جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کا یہ حال کہ عمیر رضؓ جیسے کمسن بچے

ایڑیاں اٹھا اٹھا کر بارگاہِ رسالت میں فریاد کرتے ہیں کہ انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے۔

و ایثار ایسا کہ خود بھوکے رہتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائی کو کھلاتے ہیں اور پروردگار خود گواہی دیتا ہے۔

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ

(اور یہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ خود تنگدست ہوتے ہیں۔)

و انفاق فی سبیل اللہ کی یہ کیفیت کہ رات بھر یہودی کے باغ میں پانی دینے کے سبب اُجرت میں جو کھجوریں ملتی ہیں۔ ان میں سے آدھی آنحضرتؐ کی خدمت میں لاکر پیش کرتے ہیں۔

و خوفِ آخرت کا یہ حال ہے کہ رفیقِ غار بھی پرندوں اور چرندوں کو آزاد دیکھ کر آہ بھرتا ہے کہ تم کتنے خوش قسمت ہو۔ چُگ چُگ لیتے ہوئے تمہیں کسی حساب و کتاب کا خوف نہیں۔ ابوبکر کو دیکھو خوفِ آخرت نے اس کو بوڑھا کر دیا ہے اور اس کی کمر جھکا دی ہے

و حکمرانی میں درویشی کا یہ نقشہ کہ بیت المقدس کے سفر میں غلام اونٹ پر سوار ہے اور امیر المومنین کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار ہے

و وفا۔ ایثار اور حق پرستی کے یہ پیکر اس معلّمِ اعظم نے تیار کئے ہیں جس کا فیضان آج بھی جاری ہے۔ اور قیامت تک جاری رہے گا

کیونکہ اس نبی پاکؐ نے خود تکلیفیں اُٹھائیں مگر اپنی اُمت کے لیئے خدا سے رحمت ہی مانگی - اُس کا فضل و کرم ہی مانگا۔

جذبۂ ایثار

حضرت رسول پاکؐ نے مسلمانوں کے دِلوں میں جذبۂ ایثار اس قدر اجاگر کیا تھا کہ وہ اپنی ذاتِ سے زیادہ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے - اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو مقدم جانتے تھے - دوسرے بھائیوں کے لئے اپنے سے زیادہ بہتری چاہتے تھے۔ مثال کے طور پر

۱ - ایک صحابی کے گھر بکری کے سری پائے بطور تحفہ ارسال کئے گئے - ان کی زوجہ محترمہ بہت خوش ہوئیں کہ آج مدت کے بعد گوشت پکانے کو میسّر آیا ہے - مگر صحابی نے سوچ کر فرمایا !

بیگم ! شائد ہمارے پڑوسی اس سے بھی زیادہ عرصے سے گوشت جیسی نعمت سے محروم ہوں - مروّت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم یہ گوشت بطور تحفہ بھیج دیں - چنانچہ سری پائے پڑوسی کے گھر بھیج دیئے گئے - پڑوسی نے بھی اسی جذبے اور ایثار کے تحت دوسرے گھر ارسال کر دیئے - حتیٰ کہ سات مقدّس گھروں سے یہ سری پائے پھرتے ہوئے پھر پہلے صحابی کے گھر پہنچ گئے۔

۲ - جنگ احد میں ابوجہم بن حذیفہ رضؓ کو پتہ چلا کہ ان کے چچازاد بھائی شدید زخمی ہیں اور میدانِ جنگ میں پڑے ہیں۔ وہ فوراً پانی کا پیالہ لے کر تلاش کرتے کرتے بھائی کے پاس پہنچے بھائی بھائی کا پیالہ منہ کی طرف بڑھا ہی رہے تھے کہ قریب سے دوسرے زخمی مجاہد کی آواز سنائی دی۔

اَلمَاء -

زخمی صحابی نے پیالہ واپس کر دیا کہ میرے دوسرے زخمی بھائی نے پانی مانگا ہے۔ پہلے اسے پلا دیں۔ ممکن ہے وہ مجھ سے زیادہ پیاسے ہوں۔ چنانچہ ابوجہم پیالہ لے کر دوسرے زخمی مجاہد کے پاس پہنچے لیکن جب وہ پانی پینے لگے تو دُور سے ایک اور زخمی مجاہد کی آواز گونجی۔ اَلمَاء نے اُسے پانی پینے سے روک دیا اور پیالہ واپس کر کے فرمایا کہ انہیں پلا دیں۔ میں صبر کر لوں گا۔

جب حضرت ابوجہم پیالہ لے کر قریب پہنچے تو زخمی صحابی مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

پڑھا اور دوسرے صحابی کی طرف بڑھے۔ مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے۔ افسوس کرتے ہوئے اپنے چچازاد بھائی کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی روح مبارک بھی جسدِ خاکی سے

پرواز کر چکی ہے۔

یہ حضرت رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رحمت و شفقت کا اثر تھا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے لئے سراپا محبّت بن گئے۔ دراصل حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم جو چاہتے تھے خدا اُسے پورا کر دیتا تھا۔ آپؐ رحمت العالمین تھے۔

ذرا غور کیجئے پروردگارِ عالم خود رب العالمین ہے اور اُس نے اپنے آخری نبیؐ کو رحمت العالمین بنا کر بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ اپنی امّت کی بھلائی مانگی اور انہی کی دعاؤں کے صلہ میں آج ہم قائم و دائم ہیں۔ ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

(الانفال - ۶۳)

(وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے تقویت بخشی ﴿۶۲﴾ اور اِن کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے۔ تب بھی اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے مگر خدا ہی نے اِن میں الفت ڈال دی۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے)

و بے شک خدا نے قرآنِ پاک کے ذریعے لوگوں کو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ مگر ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ ہمارے پاس کان ہیں مگر سُن نہیں سکتے۔ ہمارے پاس ہاتھ ہیں مگر اپنی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو توڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان ہاتھوں سے ہم نے اپنے ہی بھائیوں کے گریبان پکڑے ہوتے ہیں۔ جبکہ فرمانِ خدا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (سورہ حجرات - ۱۰)

(مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں کے درمیان صلح کروا دیا کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جاسکے)

حضرت رسولِ پاکؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

(دیکھو میرے بعد گمراہی کی طرف پلٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں مارنے نہ لگنا۔ عنقریب تم اپنے ربّ سے ملنے والے ہو۔ وہاں تمہارے اعمال کے بارے میں تم سے بازپرس ہوگی۔ سنو! اگر نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی بات ماننا اور اس کی اطاعت کرنا)

مگر ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ نہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں اور نہ ہی رسول کے وفادار۔ بلکہ اپنی خواہشات کے طلبگار۔

بقول علامہ اقبالؒ

؎ زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

• یہ حضرت رسولِ پاکؐ کی تعلیم و تربیت کا ہی کمال تھا کہ چاروں خلفائے راشدین نے دنیائے معلومہ کے نصف حصے پر ایسی شاندار اور مثالی حکومت قائم کی کہ آج تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اتنی عظیم الشان سلطنت کے حکمران، اپنے کردار کی بلندیوں پر پہنچے ہوئے انسان۔ جن کے رعب و دبدبہ سے ہم اثر سلطنتوں کے حکمران کانپتے تھے مگر وہ بلند و بالا عمارتوں میں نہیں رہتے تھے، کیونکہ وہ کردار میں خود بلند و بالا تھے وہ ریشم و حریر و اطلس کا استعمال نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے جسم سادہ زندگی کے عادی تھے۔ وہ سادہ غذا اور رزقِ حلال کھاتے تھے۔ اس لئے عارضۂ قلب میں مبتلا نہ تھے۔ وہ انصاف پرور حکمران تھے اس لئے انہیں نیند آور دوا کی ضرورت نہ تھی۔ اِن کے مزاج آمرانہ نہ تھے اس لئے انہیں حفاظتی گارڈز کی ضرورت نہ تھی۔ اُن کے کان اور ان کے دِل عوام کی دھڑکنیں سنتے تھے اس لئے انہیں پروٹوکال کی پرواہ نہ تھی۔ اِن کی رہائش گاہوں اور ان کے دفاتر میں دربان نہیں تھے کہ اہلِ حاجت کو اِن تک پہنچنے سے روکیں۔ ان کے معاملات اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم کے مطابق

باہم مشاورت سے طے پاتے تھے۔ آج کی اتنی عظیم الشان اور بلند و بالا پارلیمنٹ کی عمارتوں میں مشاورت کا وہ عمل نظر نہیں آتا جو حضورؐ کے سادہ دربار میں اپنے کمال پر نظر آتا ہے اس لئے کہ وہ عوام کے حقوق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرتے تھے اس لئے نہیں کہ انہیں کسی جلسہ اور جلوس کا خوف تھا۔ (پروفیسر صدر الدین قاضی)

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ یہ حضورؐ کی حکیمانہ تعلیم کا اثر تھا کہ عدالتوں کے ایسے قاضی بنے کہ آج بھی عدلیہ کو ان پر ناز ہے۔ قانون کے ایسے مقنن تیار ہوئے جن کی قانون سازی آج بھی رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہیہ و حدیث کے ایسے آئمہ پیدا ہوئے جن کی امانت و دیانت مسلمہ ہے۔ حضورؐ کی تربیت سے آراستہ یہ انسان جو صحابہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں یہ نہ صرف شریعت مطہرہ سے واقف تھے اس پر خود بھی عامل تھے اور پیغام الٰہی کو اطراف و اکناف تک پہنچانے والے پہلے مبلغ بھی تھے اور انہیں کے بارے میں قرآن حکیم میں آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

(اے ایمان والو! کون ہیں وہ ؟؟۔ اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو)۔ دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

• أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

(یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مُتّقی ہیں ۔ جن کی زندگی اللہ تعالےٰ کے احکامات کے تحت بسر ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کرتے ہیں)

بے شک حضرت محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے عمل کی وجہ سے یہ صحابۂ پارسا بن گئے اور آنے والے دَور میں جس جس نے اِن کی زندگی اور تعلیم سے استفادہ کیا ۔ یہی تقویٰ و طہارت کی منزل کو پہنچا اور صالحین کی اُس جماعت میں شریک ہو گیا۔

• حضرت محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے خدا کی طرف سے آمدہ ہدایات کے مطابق اُس معاشرہ کی اصلاح کی جو گڑھے کی طرف جا رہا تھا۔ خدا خود ارشاد فرما رہا ہے ؛

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

(آلِ عمران - ۱۰۳)

(اور سب مل کر خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ)

بے شک خدائے پاک بڑا غفور و رحیم ہے۔ وہی انسانوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرتا ہے اور اتنے نبی بھیجنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ بنی نوع انسان کو آگ کے گڑھے سے بچا کر

اصلاح کی طرف بلایا جائے۔

• انسانی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انبیائے کرام انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ اس میں ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

• ایک دفعہ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے پاس کچھ مہمان آگئے۔ آپؐ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ایک صحابی ابوطلحہ انصاریؓ ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ کھانا کم تھا، بچوں کو سلا کر خود ساتھ بیٹھے۔ مگر چراغ بجھا دیا، بھوکے اٹھ گئے اور مہمانوں کو محسوس نہ ہونے دیا۔

• حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں!

توفی عنا النبیؐ و لم یشبع من خبز الشعیر۔

(حضورؐ وفات پاگئے اور کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی)

• حضرت عائشہؓ کا بیان ہے!

واللہ ما شبع آل محمدؐ من یومین متتابعین من خبز الشعیر۔

(خدا کی قسم! آپؐ کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔)

حد یہ ہے کہ جو رات آپؐ کی زندگی کی آخری رات تھی۔ اس رات میں بھی چراغ جلانے کے لئے تیل پڑوسن کے گھر سے لایا گیا۔ آپؐ کی زرہ مبارک اس وقت بھی ایک یہودی کے ہاں گروی تھی۔ جس سے آپؐ کچھ نئے قرض منگواتے تھے۔

(قاضی چمن پیر الہاشمی القادری)

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی صاحبزادی کو علم ہوا کہ آپؐ کے پاس کچھ کنیزیں اور غلام آئے ہیں۔ آپؓ اپنے باباجان کے پاس تشریف لائیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بیٹی کو آتے دیکھا اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پیشانی کا بوسہ لیا۔ اپنی جگہ پر بٹھایا۔ اور پوچھا بیٹی کیسے آئی ہو؟

حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے اپنے دونوں ہاتھ آپؐ کی طرف بڑھائے اور عرض کی:

باباجان!

حسنینؓ بڑے ہو گئے ہیں۔ مجھے خود اُن کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے گھر میں جھاڑو دیتی ہوں۔ چکی پیستی ہوں۔ کھانا بناتی ہوں۔ کپڑے دھوتی ہوں۔ پانی کا مشکیزہ کنویں سے بھر کر خود لاتی ہوں اگر آپؐ مجھے ایک کنیز عنایت فرما دیں تو میرے لئے آسانی ہو گی۔

حضرت محمد مصطفےٰؐ نے بیٹی کے ہاتھوں میں چھالے دیکھے اور فرمایا:

بیٹی اگر میں تمہیں وہ عمل بتا دوں جس سے خدا راضی ہو جائے

جو کنیز یا غلام سے بہتر ہے۔
حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے عرض کی، بابا جان بے شک آپؐ وہ عمل مجھے بتا دیں۔ جس سے پروردگار راضی ہو جائے۔
حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا؟
بیٹی تم رات کو سونے سے پہلے ۳۳ دفعہ سُبحان اللہ۔ ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔
یہی تسبیح فاطمہ آج تمام مسلمان ہر نماز کے ساتھ پڑھتے ہیں اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے۔
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے، فاطمہ بضعۃ منی۔ (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) مگر گھر کا تمام کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔
اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی مر گیا اور کچھ ترکہ چھوڑ گیا وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو اور اگر قرض چھوڑ گیا ہے تو وہ میرے ذمے ہے۔ اس کو میں ادا کروں گا۔
اپنے گھر میں آپ نے علی الاعلان کہہ دیا تھا۔ اگر دنیا کی بہار راحت و آرام کی زندگی چاہتی ہو تو ہم اچھی طرح سے تمہیں رخصت کر دیں گے۔ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو دکھ درد اور تنگی ترشی برداشت کرنا ہوگی۔ اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

و حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے قبل تجارت کیا کرتے تھے۔ خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد ایک متوسط درجہ کے کنبہ کی معمولی ضرورت کے مطابق وظیفہ لینے پر اکتفا کیا لیکن وفات سے قبل وصیت کی کہ بیت المال سے لی گئی۔ تمام رقوم میرے ترکہ سے واپس کر دی جائے۔ اسی طرح حضرت عمر رضہ بیت المال سے ایک عام مسلمان کی ضرورت سے زیادہ نہیں لیتے تھے۔ تاریخ ابنِ جوزی میں ان کا قول ہے!

ہماری اور قوم کی مثال اس طرح ہے جیسے چند مسافروں نے اپنا اثاثہ ایک کو دیا ہو کہ وہ سب پر خرچ کرے۔ پھر فرمایا! کہ ایسا آدمی ان میں ترجیحی سلوک کر سکتا ہے!

حاضرین نے جواب دیا! نہیں!

یہ ہے اسلامی نظام معیشت کا بنیادی نقطہ کہ رعایا کے ہر فرد کی ضروریات کا برابر خیال رکھا جائے۔ حضرت عمر رضہ نے فرمایا! میرے لئے بیت المال سے اتنا حلال ہے۔

دو جوڑے کپڑے، ایک سردی اور ایک گرمی کے لئے، حج و عمرہ کے لئے احرام اور قریش کے ایک عام آدمی کی معاشں کے برابر اپنے اہل وعیال کے لئے خرچہ۔ حضرت عثمان رضہ کو بیت المال سے لینے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ خود مالدار تھے۔ حضرت علی رضہ لنگر سے کھاتے جو عام لوگوں کو ملتا تھا۔ اور لباس میں پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے

حضرت علیؓ ایک دفعہ اپنے غلام قنبر کے ساتھ بازار کپڑا خریدنے گئے۔ آپؑ نے دو طرح کے کپڑے خریدے۔ ایک قیمتی اور دوسرا سستا۔ واپس آکر حضرت علیؑ نے قیمتی کپڑا اپنے قنبر کو دے دیا اور اپنے لئے سستا رکھا۔

غلام نے عرض کی!

آقا! یہ کیا

حضرت علیؑ نے فرمایا!

قنبر تم جوان ہو۔ تم نے ابھی زندگی کی کئی بہاریں دیکھنی ہیں۔ میں بوڑھا ہوں۔ عمر گزار بیٹھا ہوں۔

یہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تربیت یافتہ مسلمان۔ تاریخ ایسے واقعات پیش کرنے سے قاصر ہے۔

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا بانی ماہر اقتصادیات آدم سمتھ تھا اس کی مشہور کتاب ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی۔ اس نظریہ کو سیاسی و سماجی رنگ دینے میں بینتھم۔ جیمز مل۔ جان آسٹن اور جان سٹوارٹ مل۔ جیسے مفکرین کا بڑا حصہ ہے۔ آخر میں اس نظریہ کی نئی توجیہہ ہربرٹ سپنسر نے کی۔ اُس نے اپنی کتاب "سپیشلائزڈ۔ ایڈمنسٹریشن" مصنفہ ۱۸۷۱ء میں ثابت کیا کہ صرف بہترین انسان ہی زندہ رہتے ہیں۔ کمزور اور نااہل افراد خود بخود کشمکش حیات میں ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے معاشرہ

یا ریاست کو کمزور افراد کی پشت پناہی نہیں کرنی چاہیئے ۔ اس نظریہ انفرادیت کا اصول عدم مداخلت ہے ۔ یعنی فرد جس طرح چاہے جتنی چاہے دولت کمائے اور جہاں چاہے خرچ کرے ۔ حکومت کو فرد کی زندگی میں مداخلت کا حق ہرگز نہیں ۔

یہ نظریہ انتہائی ظالمانہ ہے اُس نے فرد کو انتہا درجہ کا خود غرض اور بندۂ ہوا و ہوس قرار دیا ہے یہ نظریہ انتہائی گمراہ کن ہے جس کے تحت ایک غنڈے اور بدمعاش کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہر حربہ استعمال کر کے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے ۔

جبکہ اسلام کا نظریہ " کسب معاش ۔ رزق حلال عبادت ہے " یعنی ایک مسلمان پر فرض ہے اُس کے لئے عبادت ہے کہ وہ حلال کی روزی کھائے اور ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہی ہدایت کی ہے کہ رزقِ حلال کماؤ اور کھاؤ اور خدا کی دی ہوئی رحمتوں کا شکر ادا کرو ۔ اور اگر بھوکا رہنے سے تسکین ملے اور حق بندگی ادا ہو تو بھوکا رہو ۔ جیساکہ وہ خود رہتے رہے ہیں ۔ ارشاد ربّ العزّت ہے ۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (ابراہیم ۳۴)

(اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے)

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں ۔

کہ انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات کثیرہ کا شکر ادا کرنے سے

قاصر ہے۔ ہم تو ایک نعمت کا شکر بھی کماحقہ ادا نہیں کر سکتے۔ مثلاً سانس کی آمد و رفت ہماری زندگی کا باعث ہے۔ سانس کا اندر لے جانا ایک نعمت ہے اور اسی طرح سانس کا اخراج دوسری نعمت ہے۔ اگر ہم صرف اسی نعمت کا شکریہ ادا کرنے لگیں تو ہم ایسا نہیں کر سکتے اور اس ذات کے احسانات تو بے حد و حساب ہیں۔

بے شک خدائے بزرگ و برتر کے بڑے احسانات ہیں بنی نوع انسان پر اور خاص طور پر ہم مسلمانوں پر جنہیں اپنے محبوب اور خاتم النبیّن نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرنے کا حکم فرمایا جو سراپا رحمت اللعالمین ہیں۔ خدا پاک خود فرما رہے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (آل عمران ۶۴)

(واقعی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا جب کہ انہی میں سے ایک ایسا رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کی زندگی سنوارتا ہے۔ اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا

ہے ۔ اور بلا شبہ اس رسول صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے آنے سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)

بے شک حضرت رسول پاک صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی پیدائش یعنی تشریف آوری سے پہلے عرب کے رہنے والے بلکہ تمام دنیا کے بنی نوع انسان کھلی گمراہی میں تھے ۔ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس خیال سے کہ یہ باعثِ ندامت اور بے عزتی ہیں ۔ ان کو رزق کہاں سے کھلائیں گے ۔ عورتوں کی کوئی عزت و تکریم نہیں تھی ۔ بلکہ اُن کی حیثیت صرف بھیڑ بکریوں کی سی تھی ۔ بدکاری اور شراب نوشی عام تھی ۔ جنگل کا قانون نافذ تھا ۔ شرافت کی کوئی قیمت نہ تھی ۔ آوارہ گردوں ۔ بدمعاشوں اور غنڈوں کی اجارہ داری تھا ۔ طاقت والا کمزور پر حاوی تھا ۔ طاقتور قبیلے دوسروں پر حاوی تھے ۔ ان پڑھ اور جاہل لوگ تھے ۔ قمار بازی اور شکار سے انہیں فرصت نہ ملتی تھی ۔ ایک اور جگہ فرمان ہے کہ یہ معاشرہ ۔ سوسائٹی ۔ گنوار لوگ ۔ آگ کے قریب پہنچ چکے تھے کہ خدائے پروردگار نے اپنے اس طیّب و طاہر نبی کے طفیل بچا لیا ۔

★

احسانِ عظیم

بے شک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوع انسان کیلئے خدا کی طرف سے احسانِ عظیم ہے۔ جس نے ہم سب کی بھلائی کیلئے۔ اصلاح کیلئے۔ بہتری کے لئے۔ ہمیں مومن و مسلمان بنانے کیلئے۔ خدا کی وحدانیت تسلیم کرانے کیلئے۔ ہمیں ڈرانے اور خوشخبری سنانے کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ خدائے بزرگ و برتر ہی اس کائنات کا مالک کل ہے۔ مالکِ حقیقی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے وہ عالمین کا رب ہے اُس کا راج کائنات کے ذرّے ذرّے پر ہے۔

نیلا آسمان اُسی کے حکم کے مطابق اپنے آپ کو ہوا کے سہارے سنبھالے ہوئے ہے۔ زمین اُسی کی فرمانبرداری کرتے ہوئے۔ مسلسل گھوم رہی ہے اور تمام ذی روح جو بھی اس پر بستے ہیں اُن کے لئے رزق فراہم کر رہی ہے۔ کیونکہ پروردگارِ عالم خیر الرّازقین ہے۔ سورج اُسی کے بتلائے ہوئے راستے پر دنیا کو روشنی و اندھیرا پہنچا رہا ہے۔ غرضیکہ تمام مخلوقِ خدا کا حقیقی مقتدرِ اعلیٰ ربِ کریم ہی ہے۔

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ آسمان ہو یا زمین ۔ پھول ہوں یا کانٹے
سورج ہو یا چاند ۔ ستارے ہوں یا سیارے ۔ بادل ہو
یا ہوا ۔ آکسیجن ہو یا ہائیڈروجن ۔ گل ہو یا بلبل ۔ چرند ہوں یا پرند
انسان ہوں یا حیوان ۔ پہاڑ ہوں یا وادیاں ۔ صحرا ہوں یا میدان
پھل ہوں یا پھول ۔ سبزیاں ہوں یا گوشت ۔ ہاتھی ہو یا چیونٹی
فقیر ہو یا امیر ۔ بادشاہ ہو یا رعایا ۔ زندگی ہو یا موت ۔ غرضیکہ
نباتات و جمادات ہر شئے اُسی کی ملکیت ہے ۔ اگر آج انسان
نے شیر ۔ جنگل کے بادشاہ کو پنجرے میں بند کر لیا ہے ۔ لوہے
کو ہوا میں اڑا لیا ہے ۔ پانی کو اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے زمین
کو مسخر کرنے کے بعد فضا کو تسخیر کرنے کی سوچ رہا ہے تو
عقل و ذہن کے سبب ۔

مگر یہ انسان ذرا سوچے تو ۔ اُسے یہ عقل و ذہن کس نے
دیا ۔ زیورِ تعلیم سے آراستہ کس نے کیا ۔ اُس کی تخلیق کس نے کی
اُسے اشرف المخلوقات کس نے بنایا ۔ اپنا نائب کس نے بنایا
انسان خود تو فنا ہونے والی شئے ہے ۔ نہ یہ اپنی مرضی سے سانس
اندر لے جا سکتا ہے نہ باہر نکال سکتا ہے ۔ نہ چل سکتا ہے اور نہ
ہی لیٹ سکتا ہے ۔ نہ کھا سکتا ہے ۔ اور نہ ہی پی سکتا ہے ۔ خواہ وہ
کائنات ہی کو مسخر کرلے ۔ یا چاند و سورج پر کمندیں ڈال لے وہ ہر
لحاظ سے محتاج ہے ۔ کیونکہ خدا ہی حقیقی مالک ہے ۔ اگر انسان نے آج

لوہے کو سمندر میں بہالیا۔ پہاڑوں کے دامن چیر کر سونے اور چاندی۔ تیل و گیس کے ذخیرے حاصل کر لئے ہیں تو صرف اُسی اور اُسی کی بدولت کیونکہ انسان کو علم و عقل اُسی نے دی ہے۔ حکمت و دانائی کے خزینے اُسی کے عطا کردہ ہیں انسان نہ یہ مردہ کو زندہ کر سکتا ہے اور نہ ہی زندوں کو مار سکتا ہے اگر مُردوں کو زندہ کر سکتا تو آج قبرستان ویران ہوتے اور اس زمین پر کھڑا ہونے کی جگہ نہ ہوتی اور اگر زندوں کو مار سکتا تو آج ایک ذی روح بھی زندہ نہ ہوتی۔ کیونکہ انسان ایک دوسرے کا دشمن واقع ہوا ہے۔ یہ قتل و غارت کے بازار۔ یہ دنیا کی جیلوں میں بھرے پڑے قاتل۔ یہ جنگیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں۔ یہ ایک دوسرے کو ختم کرنے کے حربے۔ ابھی تو دنیا بہت آباد ہو چکی ہے۔ طرح طرح کی قومیں اس میں آباد ہیں۔ سینکڑوں ملک بن چکے ہیں۔ مختلف خیالات اور متضاد نظریات کے ملک قائم ہو چکے ہیں۔ مگر یاد کیجئے اُس وقت کو جب اِس روحِ زمین پر پروردگار نے اپنا پہلا خلیفہ سب انسانوں کے باپ یعنی حضرت آدم ؑ کو بھیجا۔ کائنات کا پہلا انسان بمعہ اپنی بیوی کے اس کائنات میں خدا کے حکم سے آیا پھر خدا نے انہیں اولاد دی۔

حرص و طمع ایک دوسرے پر سبقت اور اپنی برتری جتانے کے

لئے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا ۔ انسان کا پہلا قتل بلکہ انسانیت کا پہلا خون ۔ بد نے نیک کو قتل کیا۔ وجہ عناد صرف یہ تھی کہ خدائے بزرگ و برتر نے ہابیل کا نذرانہ قبول فرما لیا تھا ۔

اللہ تعالےٰ نے لوگوں کو اپنی طرف رجوع کروانے کے لئے اس دنیا میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ جن کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا ہی کی عبادت کرنے کیلئے بلائیں۔ کفر و الحاد و شرک سے لوگوں کو بچنے کی تلقین فرمائیں ۔

ارشاد ربّ العزت ہوتا ہے ۔

اُولٰئِكَ الَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (انعام - ۸۹)

(یہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی کتاب دی ۔ حکم سے سرفراز کیا اور نبوّت عطا کی)

پس واضح ہوا کہ پروردگار نے جو نبی بھی بھیجے۔ اس لیئے بھیجے کہ وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں ۔ خدا کا حکم سنائیں اور انہیں نبوّت سے سرفراز کیا ۔

ارشاد ہوتا ہے ؛

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (یوسف - ۴۰)

(حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں ۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو ۔ یہی صحیح دین ہے ۔) اور پھر دوسری جگہ فرمایا

یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آلِ عمران ۱۵۴)

(وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصّہ ہے ؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں)

یہاں یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حاکمیت صرف اور صرف خدا کی ہے اور اُس نے اپنے رسول لوگوں کو خدا کی فرمانبرداری کرانے کے لئے بھیجے ۔ کیونکہ مقصد خدا یہ ہے کہ چونکہ وہ پروردگار ہے سب کا رب ہے اس لئے لوگ کفر و شرک سے بچیں ۔ جتنے نبی بھی آئے سب نے اُسی ایک خدا کی اطاعت کی ۔ فرمانِ خدا ہے ۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ۔ (یونس ۔ ۱۵)

(میں تو صرف اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے) یعنی اصلاحِ معاشرہ ۔ جیسے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا ۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

(ھود ۔ ۸۸)

(میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ اپنی استطاعت کے مطابق تمہاری بہتری کے لئے کوشش کروں ۔)

ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کی شان یہ ہے کہ آپ ؐ رحمت اللعالمین اور خاتم النبیین ہیں ۔ جبکہ باقی جتنے نبی بھی خدا نے بھیجے وہ ایک خاص قبیلہ قوم عرصہ ۔ امت ، گروہ وقت معین کے لئے بھیجے اور جب وہ اپنا کام ختم کر بیٹھے تو آنے والے نبی کی بشارت دے کر خود انتقال فرما گئے مگر حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کی شان یہ ہے کہ یہ عالمین کے لئے نبی ہیں رحمت ہیں اور تمام گروہ ۔ قبیلے نسلیں ان کی اطاعت کی پابند ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ۔ یعنی قیامت تک جتنے بھی لوگ زندگی حاصل کریں گے اس دنیا میں آئیں گے وہ ہمارے نبی ؐ کی اطاعت کے پابند ہوں گے ۔ کیونکہ اطاعتِ رسول اطاعت خدا ہے ۔ اور اطاعت خدا ہی بندگی ہے ۔ اس لئے بھی بنی نوع انسان پابند ہیں ۔ مخلوقِ خدا کا خدا کی فرمانبرداری کے بغیر چارہ نہیں ۔

جتنے انبیاء کرام اِس دُنیا میں تشریف لائے اُن سب کا کام نیکی کا حکم کرنا اور بدی سے منع کرنا ہے تاکہ معاشرہ کی اصلاح ہو اور لوگ آپس میں مِل جُل کر خدا کی عبادت کریں اس کی تعریف کریں سب لوگ متفقہ طور پر نیکی کی تبلیغ کریں اور بدی کی بیخ کنی کریں چنانچہ ہر نبی نے خدا کے اِذن کے مطابق لوگوں کو نیکی کی طرف بُلایا اور بُرائی سے منع فرمایا ۔

حضرت ابراہیم ؑ خدا کے برگزیدہ انبیاء میں سے تھے جو خود نبی بھی تھے اور امام بھی آپ ؑ ابوالانبیاء بھی کہا جاتا ہے ۔ خدا کے حکم کیمطابق

انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ دینِ ابراہیمی ہی خدا نے پسندیدہ دین منتخب کیا یعنی دینِ اسلام اور دینِ اسلام کی شان یہ ہے کہ قیامت تک قائم و دائم رہنے والا دین ہے

حضرت ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا کے لئے ذبح کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو خواب سنایا۔ جنھوں نے اس پر عمل کرنے کیلئے گذارش کی اور اپنی رضامندی ظاہر کی۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیرنی شروع کر دی۔ خدائے بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اپنے فرمانبرداروں میں پایا۔ یہ دونوں باپ بیٹا آزمائش میں پورے اُترے تو خدا نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دُنبہ بھیج دیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح ہوگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو یادگار بنانے کیلئے اور سنتِ ابراہیمیؑ کو زندہ و جاوید رکھنے کے لئے مسلمانوں پر حج فرض کر دیا اور حج پر نہ پہنچ سکنے والے مسلمان بھی اس یاد کو زندہ رکھنے کے لئے ہر سال کروڑوں جانور خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں کیونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی جان بچا کر اللہ تعالیٰ نے اِن کا فدیہ ذبحِ عظیم قرار دیا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اور ہم نے اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ ایک ذبحِ عظیم قرار دیا"

(الصٰفٰت - ۱۰۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا مفہوم سمجھانے کے لئے انہی کے خاندان یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ خاتم النبیین کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدانِ کربلا میں خود کو ذبحِ عظیم ثابت کرنا پڑا اور خاندانِ نبوت کے حسین و جمیل پھول خدا کی راہ میں قربان کروا دیئے۔ بقول علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ

(اور اللہ کے لئے فرض ہے لوگوں پر حج بیت اللہ شریف کا جو طاقت رکھے اُس تک پہنچنے کی۔)

مقصدِ خدا یہ ہے کہ سنتِ ابراہیمی علیہ السلام پر عمل ہو۔ فرمانِ خدا یہ ہے:

فَاذْكُرُونِیْٓ اَذْكُرْكُمْ

(تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔) یعنی تم بنی نوع انسان کو میری بندگی کی طرف بلاؤ۔ تم میرا ذکر بلند کرو۔ چنانچہ

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمانے کے بعد اُن کے ذکر کو بلند کرنے اور قائم رکھنے کے لئے قیامت تک تمام مسلمانوں پر حج فرض کر دیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ط (بقرہ - ١٨٩)

(اے رسول ! لوگ تم سے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہدو وہ لوگوں کے لئے وقت بتانے والا اور حج کا وقت معیّن کرنے والے ہیں۔)

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے خدا تعالےٰ کے نزدیک حج کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۵ وَ رَسُوْلُهٗ ط فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ط وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۵

(اور حج اکبر کے دن خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ خدا مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی ۔ پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان رکھو کہ تم خدا کو ہرا نہیں سکو گے اور کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو ۔)

پس واضح ہوا کہ حج اکبر کا مقصد لوگوں کو آگاہ کرنا ہے کہ خدا اور اُس کے رسول مشرکوں سے بیزار ہیں اگر وہ توبہ کر لیں تو اس میں انہی کی بہتری ہے کیونکہ خدا تو بہت طاقت والا ہے اُس کو ہرانا کسی کے بس میں نہیں ۔ وہ ہر شے کا مالکِ حقیقی ہے ۔ کسی کی کیا مجال کہ اُس کے فیصلے پر اپنا فیصلہ حاوی کر سکے ۔

ارشادِ رب العزت ہے :

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (الرعد - ۱۶)

(کہدو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا ہے ۔ زبردست ہے) اور بنی نوع انسان کے لئے حکم خدا ہے

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(النساء - ۵۹)

(خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُس حاکم

کی جو تم میں سے ہو۔)

صراطِ مستقیم

چونکہ خدائے بزرگ و برتر حاکم برحق ہے ازل سے قیامت تک اُسی کی حکومت تھی۔ ہے اور رہے گی۔ کوئی مانے یا نہ مانے ہر شے اُسی نے بنائی ہے اور اُسی کے احکام کی پابند ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے احکام کا پابند کرے اور اُسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلے ارشاد رب العزّت ہے :-

وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔

(یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو اور بہت سے راستے اختیار نہ کرو۔ ورنہ خدا کے راستے سے جُدا ہو جاؤ گے)

خدا نے صراطِ مستقیم کی وضاحت کر دی۔ یعنی خدا کی اطاعت کرو اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو اور اُس حاکم کی جو تم میں سے ہو۔ خواہ وہ نکٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ اُس وقت تک جب تک کہ وہ تمہیں خدا اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلائے۔ جیسا کہ تمام انبیاءؑ نے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں سے فرمایا۔ قرآنِ پاک گواہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ (عمران - ۵۱)

(بے شک اللہ میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی۔ پس اس کی عبادت کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے)

یعنی خدا ہی ذی روح کا رب ہے۔ انبیاءؑ بھی اُسی کی مخلوق ہیں۔ اسی لئے انبیاءؑ کی اطاعت کرنے کا حکم ہے کیونکہ نبیؑ کا خدا کے ساتھ وحی کے ذریعہ رابطہ ہوتا ہے۔ اُسی کے وسیلہ سے خدا کے احکام ہم تک پہنچتے ہیں۔ ہم بنی نوع انسان کا کام رسولِ خداؐ کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ مسلمان اس لحاظ سے نہایت خوش قسمت ہیں کہ انہیں حضرت محمد مصطفےٰ ؐ رحمت اللعالمین جیسے نبی کی امت میں پیدا کیا ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ اپنی امت کی مغفرت کے لئے دعا کی۔ قرآنِ پاک گواہ ہے کہ جب اُمتوں نے اپنے اپنے نبیؑ کی بات

نہ مانی تو اُن کی عرض پر خدا نے نافرمانوں کو تباہ و برباد کر دیا مگر ہمارے نبی پاکؐ نے جو رحمت اللعالمین بھی ہیں، ہمیشہ خدائے پاک سے اپنی امت۔ قوم یعنی، ہم مسلمانوں کے لئے بہتری و بھلائی کے لئے دعائیں مانگتے رہے۔ ارشادِ ربّ العزّت ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (عمران۔ ۳۱)

(اے رسول کہدو۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تمہارا دوست رہے گا)

یعنی ہم مسلمانوں نے اگر خدا تعالیٰ کو راضی رکھنا ہے۔ خوش رکھنا ہے تو ہمیں رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے پیچھے چلنا ہوگا۔ اُن کی پیروی کرنا ہوگی۔ اُن کا اتباع کرنا ہوگا۔ اُن کے نقشِ قدم پر اپنے پاؤں بڑھانے ہوں گے۔ کیونکہ اسی میں ہماری بھلائی اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ خدا خود راستے کا تعین کر رہا ہے

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط (یٰسٓ ۱۔۲۔۳)

(اے سیّد و سردار۔ قسم ہے قرآنِ حکیم کی۔ بے شک تو مستقیم میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے)

خدائے بزرگ و برتر خود نشاندہی کر رہا ہے کہ دیکھو تم مسلمانو! میرے

بھیجے ہوئے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیروی کرو کیونکہ میرا رسول صراطِ مستقیم پر ہے اور یہی راہ راست ہے لہٰذا تم بھی اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چلو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے ابھی ہمیں رسول پاکؐ کا اتباع کرنا ہے۔ خدا خود فرماتا ہے! اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۔ (المائدہ - ۵۵)

(بے شک اللہ تمہارا ولی ہے۔ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں در آنحالیکہ وہ رکوع میں ہیں)

اور پھر فرمایا!

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ج وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج

(جو رسول دے۔ اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اُس سے رک جاؤ۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ وہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے) (الحشر - ۷)

تمام دنیا کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ حضرت رسولِ پاک ؐ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کریں اور تمام مہینوں میں حرمتِ مکّہ و مدینہ ملحوظِ خاطر رکھیں ۔ حتیٰ کہ حج کے دوران حرمتِ کعبہ کی خاطر اگر حج ترک بھی کر دینا پڑے تو کر دے ۔ جیسا کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے باندھا ہوا احرام کھول کر جلدی سے مکّہ و مدینہ کی حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کی ۔ خدا قبول کرنے والا ہے ۔ بڑا غفور و رحیم ہے ۔ جانتا ہے ہر چیز کے بارے میں ۔ انسان کو اس کی نیّت کا پھل دیتا ہے ۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مکہ و مدینہ کی حفاظت کے لئے ہر وقت تیار رہیں ۔ خدا و رسول پر ایمان لانا آخرت پر یقین رکھنا اور خدا کے لئے مال و جان سے جہاد کرنا بہت بڑی نیکی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ وہ خانۂ کعبہ یعنی خدا کے گھر کی تعمیر کریں ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کر رہے ہیں اور خدا کے حضور دُعائیں مانگ رہے ہیں ۔

دُعائے ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام خدائے بزرگ و برتر کے بڑے چہیتے نبی تھے۔ پروردگار اُن پر بہت خوش تھا اور اُس نے اِن پر اپنا بہت فضل و کرم کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۰ (مریم ۵۰)

(اپنی رحمت سے اِن کو بڑا حصّہ دیا اور اُن کا ذکرِ جمیل بلند کیا)

اس سے پہلے والی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو مشرکوں سے الگ کر لیا تو خدا نے انہیں بیٹے کی خوشخبری دی۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ (مریم ۔ ۴۹)

(اور جب ابراہیم علیہ السلام اُن لوگوں سے اور جن کی وہ

وہ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے
اُن کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے پسندیدہ نبی
تھے اور خلیل اللہ تھے اللہ کے خلیل ۔ دوست ۔ چنانچہ دوسری
جگہ ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ
حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا
لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النحل ۱۶ - ۱۲۰ - ۱۲۱)

(بے شک ابراہیم امام ۔ خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے
ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۔ اُس کی نعمتوں کے شکر گزار
تھے ۔ خدا نے اُن کو برگزیدہ کیا تھا اور صراطِ مستقیم پر چلایا تھا)

مگر دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام
یعنی لوگوں کا پیشوا کیوں بنایا اور اپنی نعمتیں کیوں نازل فرمائیں ۔
انہیں برگزیدہ بنایا اور صراطِ مستقیم پر چلایا ۔

ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے :

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ
قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِيْ ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۝
(البقرہ - ۱۲۴)

(اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی خدا نے فرمایا کہ ہمارا اقرار ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا)

مندرجہ بالا آیت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ جب پروردگار نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو چند باتوں میں آزمایا اور اور وہ پورے اترے تو خدا نے خوشخبری دی کہ انہیں لوگوں کا پیشوا بنایا جائے گا۔ اور ساتھ ہی نشاندہی بھی کر دی کہ خدا کے ہاں ظالموں کے لئے کوئی رعایت نہیں۔ خدا تو اُن پر اپنا فضل و کرم کرتا ہے جو اُس کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتا ہے۔ آگے خدا پاک فرماتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝
(بقرہ - ۱۲۵)

(اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوتے تھے اُس کو نماز کی جگہ بنا لو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں مانگنی شروع کیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ (بقرہ-۱۲۶)

(اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا فرما۔ تو خدا نے فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا پھر اس کو دوزخ کے لئے ناچار کر دوں گا اور وہ بری جگہ ہے)

پروردگار بہترین رزق دینے والا ہے۔ رزق ہر ایک کیلئے ہے

خواہ کوئی اُسے مانے یا نہ مانے ۔ رزق ابراہیم کو بھی ملے گا اور نمرود کو بھی ۔ موسیٰ کو بھی ملے گا اور فرعون کو بھی ۔ پیدا جو خدا نے خود کیا ہے تو رزق اس نے دینا ہے ۔ مگر جو ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے ان کے لئے اجرِ عظیم ہے اور کافروں کے لئے سزا ہے انصاف والے دن خدا خود عدل کرے گا۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل خدا کے گھر کعبہ کی تعمیر بھی کر رہے تھے اور دعائیں بھی مانگ رہے تھے ۔ قرآنِ پاک گواہ ہے ۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ع

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَاج وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ہ

(بقرہ - ۱۲۷ تا ۱۳۰)

(اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے - اے ہمارے پروردگار ہم سے خدمت قبول فرما - بے شک تو سننے والا - جاننے والا ہے -
اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو - اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو اور ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر توجہ فرما - بے شک تو توجہ فرمانے والا ہے - مہربان ہے -
اے پروردگار ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے - اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کو پاک صاف کیا کرے - بیشک تو غالب صاحب حکمت ہے - اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے - بجز اس کے جو نہایت نادان ہو - ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صلحا میں ہوں گے)

اللہ تعالٰے کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام دونوں باپ اور بیٹا خدا کے امن کے گھر۔ جو لوگوں
کو جمع ہونے کی جگہ اور جائے پناہ ہے کہ بنیادیں اونچی کر رہے تھے
تو دونوں نبی ؑ ساتھ ساتھ دعائیں مانگتے جاتے تھے اور پروردگار جو
دونوں سے راضی تھا اور جس نے دونوں کو دنیا میں بھی منتخب
فرمایا اور آخرت میں بھی وہ صلحا میں سے ہوں گے۔ کی دعائیں قبول
فرماتا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ
السلام گذارش کر رہے تھے۔ پروردگار ہماری اس خدمت کو
قبول فرما۔ ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی
ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہیو ہمیں طریقۂ عبادت بتا اور
ہمارے بعد آنے والی نسلوں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو لوگوں
کو تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب و حکمت سکھایا کرے
اور لوگوں کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو بڑا غالب، زبردست
اور صاحبِ حکمت ہے۔

پھر خدا خود ہی ارشاد فرما رہا ہے کہ چونکہ اُس نے ابراہیم و اسمٰعیل
کو دنیا میں بھی منتخب فرمایا اور آخرت میں بھی اُن کا شمار صلحا میں
ہوگا اور پروردگار نے دینِ اسلام کو اپنا پسندیدہ دین منتخب کیا
خدا نے دونوں باپ اور بیٹا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام کی دعائیں قبول فرمائیں۔ مکہ کو امن کا شہر قرار دیا

دونوں کو اپنا فرمانبردار بنایا اُن پر اپنا رحم فرمایا۔ اُن کی اُولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا میطیع بنائے رکھا۔ اور پھر سب سے بڑی خوشخبری اپنا فضل وکرم۔ رحمت۔ نعمت اور احسانِ عظیم کیا وہ اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے پیدا کیا۔

ارشاد ربّ العزّت ہوتا ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ (عمران - ۶۴)

(واقعی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا۔ جبکہ انہی میں سے ایک ایسا رسول بھیجا۔ جو ان پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے اور بلاشبہ اس رسول کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے)

پس واضح ہوا کہ پروردگار نے وہ دُعا قبول فرمالی۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پڑھتے جاتے تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے جبکہ وہ خدا کے حکم کے مطابق کعبہ کی دیواریں اونچی کر رہے تھے یعنی ان

کی ذریّت میں سے خدائے بزرگ و برتر ایک ایسے پیغمبر کو لوگوں میں بھیجے جو انہی میں سے ہو اور وہ انہیں حکمت و دانائی کی باتیں بتائے اور لوگوں کو پاک کرے۔ ستھرا کرے۔ لوگوں کے دِل و دماغ میں پاکیزگی لائے۔ گندگی و آلودگی کو دُور کرے۔

حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی بعثت خدا کے دو برگزیدہ پیغمبروں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل کی دُعا کے نتیجہ میں ہوئی۔

حضرت رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان ہے!

عرباض بن ساریہؓ حضرت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیّن لکھا ہوا تھا۔ جبکہ آدم علیہ السلام گوندھی ہوئی مٹی میں پڑے ہوئے تھے اور میں تمہیں امرِ واقع بتاتا ہوں کہ میں دُعائے ابراہیمؑ۔ بشارت عیسٰی علیہ السلام اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

خداوند تیرا خدا تیرے ہی درمیاں سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کر لے گا۔ تم اس کی سُننا اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا

کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔

انجیل یُوحنا باب ۱۴ (آیت ۱۶ میں ہے)

اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔

اِنجیل یُوحنا باب ۱۴ (آیت نمبر ۳۵)

اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ سے اس کا کچھ نہیں۔

باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے

لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔

اور خدا اس بارے میں فرماتا ہے!

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط (عمران - ۱۰۳)

(تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم بچا لیا اس سے)

پس واضح ہوا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت پروردگار کا بہت بڑا احسان ہے اور مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے کہ آپ کی پیدائش مسلمانوں پر خدا کا احسانِ عظیم ہے۔

- موسیٰ عمران نے بھی یہی مژدہ سنایا تھا۔ خدا سینا سے نکلا۔ سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں تو تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن وہ فارقلیط آئے گا۔ تو سچائی کی راہیں بتلائے گا
- داؤدؑ نے بھی یہی پیغام سنایا!

مبارک ہیں وہ لوگ تیرے گھر میں بستے ہیں وہ سدا تیری حمد کریں گے وہ بکہ سے گزرتے ہوتے کنواں بناتے ہوئے"

- ان کے صاحب سلطنت و حکومت بیٹے نے ارشاد فرمایا

(وہ ٹھیک محمد ہیں۔ وہ میرے محبوب یہی تیری جان)

خدایا تیرا شکر کہ تو نے ہمیں اپنے اس نبی کی امت میں پیدا کیا۔

نشانیاں و دلائل

خدائے پاک نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بنی نوع انسان۔ خاص طور پر یہود و نصاریٰ پر ثابت کرنے کے لئے بے شمار دلائل اور نشانیاں پیش کیں۔

خدا فرماتا ہے (

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(بقرہ - ۱۰۱)

(اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ رسول آ گیا جو ان نشانیوں پر سچا اترتا ہے جو ان کے پاس موجود ہیں تو جن کو کتاب دی گئی ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور جیسے وہ جانتے ہی نہیں)

مندرجہ بالا آیت سے خدا نے واضح کر دیا کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق توریت و انجیل میں دلائل و نشانیاں موجود

ہیں اور آپؐ ان نشانیوں پر بلاشبہ پورے اترے ہیں مگر اہلِ کتاب نے ان تمام نشانیوں کو پس پشت ڈال دیا اور لاعلم بن گئے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دعا ہی یہ مانگی تھی کہ اُن کی اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو۔

بے شک یہود و نصاریٰ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے پیروکاروں میں سے ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خوش ہو کر دی تھی۔ خدا نے صفا و مروہ کے شعائر اللہ ہونے کی تصدیق کے فوراً بعد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (البقرہ۔ ۱۵۹)

(بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی نشانیوں اور راہنمائی ہدایت کو چھپاتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے دور

کر دے گا اور اللہ کی رحمت سے دور رکھے جانے والے بددعا کرنے والے اُن کو بددعائیں دیتے ہیں۔)

خدا خود فیصلہ کر رہا ہے کہ جو لوگ بھی خدا کی طرف سے نازل کردہ نشانیوں کو چھپاتے ہیں یا جھٹلاتے ہیں وہ اُس کی رحمت سے دُور ہو جائیں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (بقرہ - ۱۴۶)

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو اس طرح پہچانتے ہیں اور یقیناً ایک گروہ اُن میں سے جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے)

خدا نے اپنی تمام نشانیوں کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ مثلاً :- زبور - توراۃ - انجیل اور قرآنِ پاک میں حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے مبعوث ہونے کا ذکر موجود ہے۔ صفا و مروہ کا قربان گاہ یا ذبح خانہ ہونا اس بات کا بیّین ثبوت ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ جن کو اُن کی والدہ کے ساتھ حکم خدا کے مطابق خلیل اللہ نے یہاں آباد کیا اور یہیں پر خدا نے اپنی نشانیاں ظاہر کیں تاکہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں اور بتوں کی عبادت سے پرہیز کریں جیسے کہ آج لاکھوں فرزندانِ توحید

خدا کے اِس گھر میں جمع ہوتے ہیں جو کہ امن کی جگہ ہے فرمانِ خدا ہے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ج

(بقرہ — ۱۵۸)

(صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں)

■ تورات میں واضح دلیل موجود ہے۔ حکم خدا ہے۔

(اپنے اکلوتے بیٹے کو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ اسحاق کو اور اسے مریا کی سرزمین کی طرف قربان کرنے کیلئے لے جاؤ)

(توریت تکوین اصحاح ۔ ۲۲)

خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسمٰعیلؑ کو لے کر مروہ میں قربان گاہ کی طرف لے جائیں اور ذبح کریں خدا کی راہ میں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا قرآن پاک گواہ ہے مگر یہودیوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے نام کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی کی تھی مگر خدا نے اس پر تنبیہہ کی ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشارت دی۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط

(صف ۔ ۶)

(اور خوشخبری دیتا ہوا اپنے بعد آنے والے رسول کی جس کا نام احمد ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی بعثت کے بارے میں خدا نے قبول کی - چنانچہ یہودیوں نے دعا کا اکثر حصّہ تورات میں سے غائب کر دیا - مگر پروردگار نے یہاں بھی اپنی نشانی اسطرح ایمان والوں کے لئے چھوڑ دی - یعنی (اور ابراہیمؑ نے کہا کاش ! اسمٰعیلؑ تیرے سامنے زندہ رہے) (تکوین - اصحاح ۷ - ۲۲)

اور خدا نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی اور نہ صرف انہیں زندگی بخشی بلکہ اُن کی نسل کو بھی قیامت تک حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شکل میں زندہ رکھا - ارشاد ہوتا ہے :

(اور اسمٰعیل کے معاملے میں - میں نے تیری دُعا سُن لی ہے میں اسے برکت دوں گا - اِسے بڑھاؤں گا - اور اسکو بہت زیادہ کردوں گا) (تکوین - اصحاح ۱۷ - ۲۰)

اسی طرح قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جو امتوں اور نبیوں کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں - ان کا مقصد غور و فکر اور تدبّر کی دعوت دینا ہے -

خدا ارشاد فرماتا ہے :

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الحشر - ۲۱)

(اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔

اور خدا فرما رہا ہے کہ قرآنِ پاک میں دوسرے نبیوں کے قصے اور قوموں کی تباہی و بربادی کی داستانیں بیان کی جا رہی ہیں اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل کیا جاتا یا اتارا جاتا تو وہ خوفِ خدا کی وجہ سے پھٹ جاتا۔ انسانوں کے لئے اس میں غور کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (حٰمٓ السجدہ - ۵۳)

(ہم عنقریب اُن کو اطراف میں بھی اور خود اُن کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے)

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نبی برحق ظاہر کرنے کیلئے لوگوں کے اردگرد اور خود اُن کی اپنی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں۔ تاکہ لوگوں پر حق ظاہر ہو جائے اور وہ اسے چھپانے کی ناحق کوشش نہ کریں دراصل قرآنِ پاک خود ایک بہت بڑی نشانی ہے اور اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے ہی میں بھلائی و بہتری ہے۔ جیسے کہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝

(النساء - ۸۲)

(بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا ہوتا تو اس میں اختلاف پاتے)

پھر خدا اپنی حقانیت اور وحدانیت کے متعلق فرمایا

ہے تاکہ لوگ ہدایت پکڑیں اور عقل سے کام لیں اور کفر و شرک سے
پرہیز کریں جس میں سوائے بربادی کے کچھ نہیں ہے۔ سورہ یوسف
میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○

(یوسف - ۱۰۵)

اور آسمان و زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گذرتے
ہیں اور اِن سے اعراض کرتے ہیں) پھر فرمایا!

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ
مُّشْرِكُوْنَ ○

(یوسف - ۱۰۶)

(اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر شرک کرتے ہیں)
خدا تعالیٰ اُن لوگوں کے لئے کھلی نشانیاں پیش کرتا ہے
جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو نبی مان کر ان کی اطاعت
نہیں کرتے اور خدا کی حقانیت کے ساتھ ساتھ قرآنِ پاک کو بھی
جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ آپؐ سے پہلے جتنے بھی نبی اس دنیا میں
مبعوث ہوئے وہ اس بات کی بشارت دے کر گئے کہ ہمارے بعد
ایک آخری نبی آئے گا۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم
کا فرمان ہے!

اَنَا دَعْوَۃُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَ بُشَارَۃُ عِیْسٰی

(میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں اور عیسٰی علیہ السلام کی بشارت)

و حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خوشخبری بھی ان الفاظ میں دی۔

(اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اور اپنے بعد ایک رسول کی بشارت سناتا ہوں جس کا نام احمد ہو گا۔)

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اپنی کتاب روشن قرآن پاک عطا فرمائی۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ قرآن پاک تلاوت فرمائیں لوگوں کو اس کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ تعلیم دیں کتاب کی۔ اور حکمت و دانائی کی اور پاک کریں لوگوں کو۔

پروردگار عالم نے کائنات میں جتنے بھی انبیاء کرام بھیجے اُن سب کو اصلاحِ معاشرہ کے لئے بھیجا۔ یعنی وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بدی سے منع فرمائیں جیسا کہ تمام انبیاء کرام نے اپنے دور میں لوگوں کو واضح ہدایات دیں کہ وہ برائی کو چھوڑ کر نیکی کو

اپنائیں۔ کفر و شرک سے توبہ کریں۔ جاہلانہ رسموں کو خیر باد کہیں
حضرت لقمانؑ نے فرمایا :

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

(لقمن - ۱۷)

(بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور اچھی باتوں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں)

نبیؑ کی زندگی شروع ہی سے خدا کی اطاعت میں گزرتی ہے اور ہمارے نبی پاکؐ نے تمام زندگی بنی نوع انسان کی بھلائی کیلئے بسر کی اور اصلاح معاشرہ پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ میثاقِ مدینہ گواہ ہے۔ پہلی وحی کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے گھر تشریف لائے۔ دروازہ کھولا گیا آپؐ نے فرمایا۔ خدیجہ آج میرے پاس جبرائیل فرشتہ آیا اور پیغام دیا کہ میں نبی ہوں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے عرض کی۔ بے شک آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ تو میں پہلے سے جانتی ہوں۔ معلوم ہوا کہ نبی کی زندگی خواہ وہ اعلانِ نبوّت کرے یا نہ کرے عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام خدا کے بڑے اچھے نبی تھے اُن کو بھی اُن کی قوم نے بڑا تنگ کیا ہوا تھا۔ خدا کے حکم کے مطابق وہ بھی اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کوشش کرتے رہے۔ سورہ ھود میں ارشاد ہوتا ہے!

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ

اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ۞ الرَّشِیۡدُ ۞ قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَرَزَقَنِیۡ مِنۡہُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡہٰکُمۡ عَنۡہُ ؕ اِنۡ اُرِیۡدُ

(ھود ۸۴ تا ۸۸)

(اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔ اے قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین پر خرابی کرتے نہ پھرو اگر تم کو یقین ہو تو خدا کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔

انہوں نے کہا شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ہم انکو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو۔

انہوں نے کہا اے قوم! دیکھو تو میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک ہو سکے اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں)

چونکہ کتاب کا عنوان "اصلاحِ معاشرہ" "سیرت طیبہ کی روشنی میں" ہے اور آیت مذکورہ کا تعلق حضرت شعیبؑ کی اپنی قوم کو تنبیہ ہے۔ اس لیے حضرت شعیبؑ کی قوم

کو فرمان، حکم اور تنبیہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ جتنے نبیؑ پاکؐ بھی اس دنیا میں تشریف لائے انکا مشترکہ مقصد صرف اور صرف اصلاحِ معاشرہ تھا۔ جب قوموں نے اپنے نبیؑ کی بات ماننے سے انکار کردیا اور نبی کو جھٹلایا تو نبی کی بد دعا کے ضمن میں خدا نے ان قوموں کو تباہ و برباد کردیا۔ مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ **مدین** کے رہنے والے یعنی قومِ شعیبؑ شرک کرتی تھی خدا کے علاوہ اور چھوٹے موٹے جھوٹے خدا بنا رکھے تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ پہلا حکم جو حضرت شعیبؑ نے دیا وہ یہ تھا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

پس واضح ہوا کہ "اصلاحِ معاشرہ" کے لیے سب سے بنیادی بات شرک سے منع کرنا اور لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلانا یعنی کلمۂ توحید ہے۔ خدا کو ایک جاننا ایک ماننا، اُسی ہی کی عبادت کرنا۔ چنانچہ جتنے نبی بھی آئے انکا کام صرف ایک ہی تھا کہ لوگوں کو خدا کو ایک ماننے کیلئے کہنا، بتانا یا مجبور کرنا۔

۲۔ ماپ تول میں کمی کرنا۔ جو بات حضرت شعیبؑ نے اصلاحِ معاشرہ کیلئے کہی وہ ماپ تول میں کمی کے متعلق ہے۔ اُن کی اِس تنبیہ سے وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم ماپ تول میں کمی کرتی تھی یعنی کاروباری لوگ، تاجر یا دکاندار لوگوں سے پیسے پورے لیتے تھے مگر چیزیں یا سودا کم دیتے تھے۔ یعنی ماپ تول میں کمی کرتے تھے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم کے لوگ تاجر تھے، تجارت کرتے تھے اور سودا وغیرہ کرتے وقت اس میں ڈنڈی

مارتے تھے۔ یعنی پیسوں کے مقابلہ میں سودا سلف کم دیتے تھے۔

آسودہ قوم

(۳) تیسری بات جو مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتی ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم آسودہ تھی سُکھی تھی۔ کھانے کو اُن کے پاس بہت تھا۔ مگر وہ حرص و ہوس میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ آسودہ ہونے کے باوجود ڈنڈی مارتے تھے۔ اگر مجبوری کے تحت انسان تھوڑا بہت اِدھر اُدھر کر بھی لے تو قابل معافی ہے۔ خدائے پاک غفور الرحیم ہے معاف کرنیوالا ہے مگر آسودگی کی حالت میں دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچانا قابل معافی نہیں۔ ماپ تول میں پورا ہونا معاشرے کی اصلاح کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اگر ایک قوم خواہ وہ کتنی ہی آسودہ کیوں نہ ہو۔ اگر ماپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ نہایت گری ہوئی قوم ہے۔ اسکی اصلاح ہونی چاہیئے۔

عذاب الٰہی

: چوتھی بات جو واضح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کو یہ خوف تھا کہ ان برائیوں کی وجہ سے اُن پر عذاب الٰہی آکر رہے گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ماپ تول میں کمی کرنا اور انصاف نہ کرنا۔ عذاب الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ چونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ایک مصلح تھے۔ اصلاح کے

کو تو بچالیا اور باقی تمام قوم کو تباہ و برباد کردیا جیسے دوسری قوموں کو تباہ و برباد کیا تھا۔

حضرت رسولِ پاک کی شان یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے خدائے بزرگ و برتر سے رحمت و مغفرت مانگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم آسودہ زندگی بھی گزار رہے ہیں اور قیامت تک آباد بھی رہیں گے۔

خدا تعالےٰ نے حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی ہدایات جاری کیں تاکہ وہ مسلمانوں کی اصلاح معاشرہ کریں۔ لوگوں کو برائی سے منع کریں اور نیکی کی طرف بلائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے حضرت رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے معاشرے کی اصلاح کی جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار سے دعا مانگی تھی اور خدا نے وہ دُعا قبول فرمائی تھی۔

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تعلیم کتاب ۳۔ تعلیم حکمت
۴۔ تزکیۂ نفس۔

چاروں باتوں میں آپؐ نے کامیابی حاصل کی اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اپنی نعمتیں تمام کیں۔ اور انہیں کے دین۔ دین اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا۔

انجامِ قومِ شعیبؑ: ارشادِ رب العزت ہوتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ (ھود ۔ ۹۳ تا ۹۵)

(اور برادرانِ ملت! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ میں کام کیے جاتا ہوں تم کو عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ رسوا کرنیوالا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے اور تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔
اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیبؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اُن کو تو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے انکو چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔)
گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے سن رکھو کہ مدین پر پھٹکار ہے جیسی ثمود پر تھی۔

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جب قوم شعیبؑ نے اپنے نبیؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور مقابلے پر نکل آئے اور نبی کو جھٹلایا تو پروردگار نے اپنے بھیجے ہوئے نبی یعنی حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھ نیک لوگوں

لیے آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی قوم پر وضاحت کردی کہ ماپ تول میں
کمی نہ کیا کرو اور چیزیں دیتے وقت انصاف سے کام لیا کرو۔

فسادی قوم: پانچویں بات جو واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت
شعیبؑ کی قوم فسادی قوم تھی۔ خدا کی زمین میں فساد پیدا کرنے یعنی خرابی
کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے قوم کو تنبیہ کی کہ وہ زمین میں خرابی
نہ کرے۔

خدا کی طرف سے بہتر نفع: چھٹی بات جو سامنے آتی ہے وہ خدا
کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہے۔ اس کے دیئے ہوئے مناسب نفع پر
راضی رہنا ہے۔ جب قوم شعیبؑ آسودہ تھی تو انہیں کیا مجبوری تھی کہ وہ اپنی
دولت بڑھانے کیلئے غلط ذرائع استعمال کرے یعنی ماپ تول میں کمی کرے۔

حضرت شعیبؑ کو جھٹلانا

قوم شعیب علیہ السلام نے بجائے اپنے آپ کو سنوارنے
کے۔ یعنی شعیب علیہ السلام کے بتائے راستے پر عمل کرنے کے
اپنی اصلاح کرنے کے انہوں نے حضرت شعیبؑ سے کہا ہم جیسے
چاہیں کمائیں اور جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ اور کیا ہم اپنے باپ دادا کے
بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر تمہارے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا شروع
کردیں۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے پروردگار نے اپنی شناخت کے لئے اور قوموں کی اصلاح کے لئے اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار تقریباً پیغمبر بھیجے اور اُن کے ساتھ ہدایات بھی دی گئیں۔ بعض نبیوں کو صحیفے دیئے گئے جو کہ دنیا میں موجود ہیں مگر پھر خدائے رب العالمین نے اپنے انبیاء کو کتابیں دیں اپنی طرف سے۔ جن کی وہ تلاوت فرما کر اپنے مخالفین اور دوسرے بنی نوع انسان کو خدا کی واحدانیت اور حقانیت کی طرف دعوت دیتے تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں نازل کی گئیں

۱۔ زبور = حضرت داؤد علیہ السلام پر

۲۔ توریت = حضرت موسیٰ علیہ السلام پر

۳۔ انجیل = حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

۴۔ قرآن = حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

ان چاروں پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے اور

انہیں خدا کی کتابیں ماننا۔ چنانچہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن پاک نازل کی گئی اور ساتھ حکم دیا گیا کہ اس قرآن پاک کی آیات کی تلاوت فرمائی جائے لوگوں کے دلوں سے جاہلیت اور کفر و شرک کے زنگ اتارنے کے لئے ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (المائدہ ۶۷)

(اے پیغمبر! جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں۔ سب لوگوں کو پہنچا دو۔

بے شک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی جانفشانی سے اور بے خوفی سے لوگوں تک آیات کریمہ پہنچائیں اور بنی نوع انسان کی اصلاح کی انتھک کوشش کرتے رہے۔ آپؐ کی محنت کامیاب رہی اور آپ نے کروڑوں مسلمان ایسے پیدا کر دیئے جو خدا کے واحد ہونے کا پرچار قیامت تک کرتے رہیں گے۔ بے شک مکہ کے کفار و مشرکوں نے ہر طرح سے آپؐ کو نقصانات پہنچانے کی کوشش کی۔ تنگ کیا۔ گندگی پھینکی۔ قتل کے منصوبے بنائے۔ جنگیں کیں مگر آپؐ اپنی جگہ مضبوط چٹان کی طرح قائم رہے۔

ایک بار مکہ مکرمہ کے تمام سردار اکٹھے ہو کر آپؐ کے
چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہہ کے گھر آئے۔ اور زوردار
لہجے میں کہا کہ تمہارا بھتیجا جو تمہارے ہاں ہی مقیم ہے۔ ہم اُسی کے
بارے میں آج حتمی فیصلہ کرنے آئے ہیں۔ بھتیجے کو روک دو کہ وہ
آئندہ ہمارے معبودوں کے خلاف ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ
نکالیں اور نہ ہمارے آبائی عقائد کے خلاف کوئی بات کہے ورنہ
ہماری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ ہم آج آخری وارننگ
دینے کیلئے یہاں آئے ہیں۔ اگر ہماری تنبیہہ پر عمل نہ کیا گیا تو
آپ کے پورے گھرانے کو نیست و نابود کر دیں گے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہہ نے اپنے بھتیجے حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔

بیٹے! آپ کا دین حق سہی۔ مگر اُس کو اپنی ذات
تک محدود رکھو اور تبلیغ کرنا چھوڑ دو۔ میں اکیلا بوڑھا آدمی
سرداران مکہ کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا!

چچا جان! بخدا اگر سرداران مکہ اتنی طاقت کے مالک ہو
جائیں کہ سورج اتار کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند میرے
بائیں ہاتھ پر۔ تو بھی میں دینِ حق کی تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتا۔
یہی آپ کی کامیابی تھی۔ بقولِ شاعر!

تارا اگر ٹوٹے زمین پر نہیں گرتا
حالات کے قدموں پہ قلندر نہیں گرتا
گرتے ہیں بڑے شوق سے سمندر میں بھی دریا
لیکن کبھی دریا میں سمندر نہیں گرتا

جہاں بھی لوگوں کا اجتماع ہوتا یا مکہ میں کوئی میلہ لگتا آپ دینِ حق کی تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے اور آیات کی تلاوت فرماتے اور خدا کی طرف سے عنایت کردہ اپنے فرض منصبی نبھاتے۔ آپ کا چچا ابولہب بھی ہاتھ میں کنکریاں لئے پیچھے ہوتا اور کنکریاں مارتے ہوئے لوگوں سے کہتا۔ میرا بھتیجا (نعوذ باللہ) مجنوں ہے اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ استقلال۔ عزم و ہمت۔ ایثار و وفا۔ بے خوف و نڈر۔ راست گو و سچے دینِ حق پر قائم رہنے والے اور حق کی طرف سے حق بات کہنے والے۔ بے لوث اور رحمت اللعالمین تھے۔ وہ ہر وقت آیاتِ کریمہ بنی نوع انسان تک پہنچانے میں مصروف رہتے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں بے شک آپ قرآن پاک کی عملی تفسیر تھے۔

خدا پاک فرماتا ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ

ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ؕ (الاحزاب - ۲۱)

(تم کو پیغمبر خدا کی پیروی بہتر ہے اس شخص کو جسے خدا اور روزِ قیامت کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو)
بے شک خدا کا فرمان برحق ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زندگی بنی نوع انسان یعنی ہم سب کے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اُن کی پیروی کریں۔ تقلید کریں اور اپنی زندگیاں بھی اُسی طور پر صرف کریں۔ جیسے حضور نے اپنی زندگی خدا کے لئے وقف کی۔ کثرت عبادت بھی کرتے تھے اور دنیاوی کام بھی نبھاتے تھے
خدا کا فرمان ہے۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (آل عمران - ۳۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے) پھر فرمایا :-

قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ○

(آل عمران-۳۲)

(کہہ دیجئے کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا)

بے شک ہم مسلمان اور تمام بنی نوع انسان خواہ اُن کا تعلق کسی بھی نسل سے ہو۔ کسی بھی قوم یا قبیلہ سے ہو۔ کسی بھی علاقے سے ہو اس کی بہتری و بھلائی حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی تقلید کرنے میں ہے۔

غیر مسلم مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی اُمّت ایک خصوصی افتخار کی حامل ہے دوسری قومیں تو اپنے اپنے نبی پر نازل کردہ کتب کی حفاظت بھی نہ کر سکیں اور نہ ہی تغیّر و تبدل سے محفوظ رہ سکیں مگر مسلمانوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے خدا کی طرف سے بھیجی گئی کتاب کی بھی حفاظت کی۔ بلکہ اپنے نبیؐ کے ہر فعل و عمل کو بھی تحریر کر کے محفوظ کر لیا۔

بے شک حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ہر فعل و عمل قرآن پاک کے ہر حکم سے مطابقت رکھتا ہے اور ویسے بھی حضرت رسول پاک صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم خدا کے فرمان کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے رہے اور آیات قرآنی کی

تلاوت فرماتے رہے اور لوگوں کو ڈراتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر ۱ تا ۳)

(اے جو کپڑے میں لپٹے پڑے ہو۔ اٹھو اور ہدایت کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی کرو)

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر ہر موقع پر حضرت محمد مصطفےٰؐ کو ہدایات نازل فرما رہے ہیں اور حضرت رسولِ پاکؐ ان پر عمل کرتے جا رہے ہیں۔

آپؐ سے قبل دنیا ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھی ظلم و ستم کا بازار گرم تھا قتل و غارت عام تھا لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا۔ غریبوں پر ظلم کیا جاتا چنانچہ آپؐ اصلاحِ معاشرہ کیلئے خدا کا فرمان لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

علامہ طبری نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ کے دروازے پر گندگی پھینک دی جاتی تاکہ عفونت و بدبو کی وجہ سے آپکی صحت اور جمعیت خاطر میں خلل واقع ہو۔ اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا کہ اے فرزندانِ عبدِ مناف! ہمسائیگی کا حق خوب ادا کرتے ہو۔

صحیح بخاری میں ہے بروایت ابن عمرو ابن العاص ہے کہ ایک روز حضورؐ خانہ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے عقبہ ابن ابی معیط نے آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال کر سخت اذیت دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپؐ کو بچایا چنانچہ انہیں بھی زدوکوب کیا گیا۔ آپؐ کے جسدِ اطہر پر ابوجہل کے کہنے پر اوجھڑی ڈال دی گئی۔ سیدہ فاطمہؑ تشریف لائیں اور اس کو آپؐ کی پشتِ مبارک سے دور کیا۔ اُحد میں آپؐ کا دانت مبارک شہید کیا گیا اور چہرہ مبارک تیروں سے زخمی کیا گیا۔ اس وقت اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی کہ

یا رسول اللہ اس دن سے بڑھ کر آپ پر کوئی مصیبت کا دن آیا تو حضرت رسول پاک نے فرمایا ہاں وہ دن تھا جب میں نے قوم کو توحید کی دعوت دی اور انہوں نے میرا کہنا نہ مانا۔ اس وقت جو مجھے رنج پہنچا آج کی مصیبت سے زیادہ محسوس کیا تھا۔

حضرت رسول پاک جب قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے تو تسلیم کرنیوالوں کے دلوں میں دین اسلام نشوونما پاتا مگر کفار مکہ یہ منصوبہ بناتے کہ جب آپ تلاوت فرمائیں تو اسے نہ سنا جائے اور شور مچایا جائے اللہ تعالیٰ تصدیق فرما رہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ○

(اور کافروں نے کہا۔ نہ سنو اس قرآن کو اور اسکے سنتے شور و غل مچا دو تاکہ تم غالب آجاؤ۔)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ

(اور وہ لوگوں کو قرآن پاک سننے سے روکتے ہیں اور خود دور بھاگتے ہیں۔)

بے شک قرآن پاک کی آیات کی تلاوت لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرتی تھیں۔ عرب کے لوگ ویسے تو فصاحت و بلاغت کے ماہر تھے۔ مگر قرآن پاک کی آیات کے مقابلے میں ان کی فصاحت و بلاغت

دھری کی دھری رہ جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ آبادی مکہ میں ہر جگہ پہنچتے اور انہیں قرآن سناتے آبادی سے باہر نکلنے راستے آنے جانیوالوں کیلئے تھے سب پر حضورؐ پہنچ جاتے اور قرآن پاک کی تلاوت سے آنے جانیوالوں کو پیغام پہنچاتے عرب کی کوئی مشہور منڈی اور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضورؐ نہ پہنچے ہوں حضرت محمد مصطفےٰ ہر ایک کو توحید کی دعوت دیتے ۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

(پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کی اتباع کریں۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا کھول کر بیان کرنا)

حضرت رسولِ پاک اس احسن طریقے سے لوگوں تک توحید کا پیغام پہنچاتے کہ آپکا چچا ابوجہل بھی آپکی صداقت پر کوئی الزام نہ لگا سکا اور یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

"اے محمدؐ! میں آپؐ کو جھوٹا نہیں کہتا میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں مگر جو پیغام آپؐ لاتے ہیں وہ میرے دل کو نہیں لگتا۔" (جامع ترمذی ــــــ تفسیر سورۃ الانعام)

امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں فرمایا ہے کہ کلامِ الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو عرفاً تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے جس طرح تعلیم کا تعلق معنی سے ہوتا ہے۔ تعلیم الکتاب والحکمۃ کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح

الکتاب والحکمۃ کے الفاظ کا مستقل طور پر محفوظ رہنا بھی ضروری ہے۔ انکی تلاوت وحفاظت کرنا ناگزیر بلکہ عبادت ہے۔

ظاہراً پہلے مخاطبین اہل مکہ اور اہل عرب تھے۔ جو اپنی زبان دانی پر ناز کرتے تھے۔ ان کے لیے تو کتاب کی تعلیم ہی کافی تھی۔ ترجمہ وتفسیر کی انہیں حاجت نہ تھی۔ پھر دعا میں تلاوت آیات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے محرف ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اصل الفاظ مٹ گئے یا تبدیل ہو گئے۔ یہ قرآن پاک دنیا کی دوسری کتابوں کی مانند ایک کتاب نہیں جس میں صرف معانی مطلوب ہوں یہاں الفاظ ومعانی دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ الفاظ کے ذرا سے ردوبدل سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس طرح اگر تلاوتِ آیات کے محفوظ کرنے کا انتظام نہ ہوتا تو حفاظت قرآن کا عمل برقرار نہ رہتا۔ بلکہ الفاظِ قرآن کے ساتھ بعض شریعت کے احکام وابستہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم کی اصولِ شریعت میں یہ تعریف کی گئی ہے:

هُوَ النَّظْمُ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا

(الفاظ ومعانی دونوں مل کر قرآن کہلائیں گے) خدا پاک خود ہی رسول بھیجنے کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

۱۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ (الصّٰفّٰت ۷۲)
(اور ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے۔)

۳- هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی

(اُس نے ہدایت سمیت اپنا رسول بھیجا) (الصف ۶۱-۹)

پس واضح ہوا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پروردگار نے منتخب کر کے اور رحمت اللعالمین وخاتم النّبیین بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا تاکہ وہ قیامت تک کی نسلوں کے لئے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہوں۔ جیسا کہ انہوں نے عملی مظاہرہ کر کے بنی نوع انسان کو خدائے واحد ہی کی عبادت کرنے کی تلقین فرمائی۔

ہمارا کام بھی یہ ہے کہ ہم قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کریں۔ کیونکہ تلاوت قرآنِ پاک از خود عبادت ہے اور قرآنِ پاک کے محفوظ رہنے کا ذریعہ بھی۔ اس کے علاوہ اس سے خدا کو تسلیم کرنے والے اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور نفرت کرنے والے یا نہ ماننے والے دور بھاگتے ہیں۔ گویا کہ آیات کی تلاوت از خود مومن وکافر میں تمیز کرتی ہے۔

اصلاح معاشرہ کے لئے قرآنِ پاک کی آیات کی تلاوت بہت ضروری ہے تاکہ نیک لوگ اس کی طرف رغبت کریں اس کی اپنی ایک چاشنی اور سرور ہے۔ پیغمبر بھیجنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ بنی نوع انسان کفر وشرک سے

اندھیروں میں بھٹکنے کی بجائے دینِ اسلام کی روشنی سے بہرہ ور ہوں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کریں۔

بے شک علم بہت بڑی دولت ہے جس کے ذریعے بنی نوع انسان نے
آج کائنات کو تسخیر کر لیا ہے اور زمین و صحرا کے علاوہ آسمان
پر گردش کرتے ہوئے نظامِ قدرت پر دسترس حاصل کر لی ہے
آج کے جدید دور کے انسان نے علم کی بدولت جو ترقی بھی کی ہے
اس کی مثال نہیں ملتی اور یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ و آلہٖ وسلم نے ہی ہمیں سکھایا ہے۔ اُن کا مقصد بعثت
ہی خدا کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اِس دنیا پر بسنے والے لوگوں کو
ایک ایسا نظامِ مصطفیٰ دے جائیں۔ تاکہ قیامت تک کے لئے آنے
والی نسلوں کو کسی اور نظام کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ دراصل
حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو قدرت نے خود اپنی طرف
سے سب کچھ سکھایا۔

ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

(وہی تو ہے جس نے بھیجا امیّوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اسکی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کے دلوں کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب وحکمت اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

پس واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ساری ذمہ داری لے لی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فریضہ یہ تھا کہ وہ خود قرآن پاک کی آیات کی تلاوت فرمائیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور لوگوں کو پاک کریں۔ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو تلاوت آیات سکھائی اور اس کے حفظ کرانے کی ذمہ داری بھی خود پروردگار عالم نے اپنے اوپر لی۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝

(ہم خود پڑھائیں گے پس آپ ﷺ اس کو نہ بھولیں گے)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔

(اے حبیب! آپ ﷺ حرکت نہ دیں زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ ﷺ جلدی یاد کرلیں اس کو۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو سینۂ مبارک میں جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ ﷺ اتباع کریں۔)

اسی طرح تیسری جگہ ارشادِ قدرت ہوتا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

(اور خوب ٹھہر ٹھہر کر قرآنِ پاک کو پڑھا کیجئے۔)

پس ہمارے نبی پاکؐ بڑے خوش قسمت ہیں اور آپؐ پر خدائے بزرگ و برتر کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اُس نے خود آپؐ کو تعلیم دی اور یاد رکھنے کی ساری ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ بھلا جب خدا کسی چیز کی ذمہ داری خود لے لے تو بھولنے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔

ارشاد قدرت ہوتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

(اور اس سے پہلے نہ آپ پڑھ سکتے تھے۔ کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے۔ اپنے دائیں ہاتھ سے۔ اگر آپ لکھ سکتے تو ضرور شک کرتے اہل باطل۔)

خدائے پاک خود وضاحت فرما رہے ہیں کہ کفار کو اس بات میں یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے اور کتاب خدا یعنی قرآن پاک کو نہ ماننے کی یہ الہامی کتاب ہے کوئی گنجائش ہی نہیں کیونکہ حضورؐ نے اس کتاب سے پہلے نہ تو تعلیم حاصل کی اور نہ ہی آپ پڑھ سکتے تھے کہ شک ہو کہ پہلی الہامی کتابوں کو پڑھنے کے بعد آپؐ نے یہ کتاب خود تیار کر لی ہے اور نہ

ہی اس سے پیشتر آپؐ لکھ سکتے تھے کہ لوگوں کو شک کرنے کا کوئی بہانہ ملے بلکہ خدائے بزرگ و برتر نے خود حضورؐ کو تعلیم کتاب و حکمت دی اور لکھنا سکھایا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔

(بلکہ وہ روشن آیات ہیں جو اہلِ علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور کفّار نے کہا کہ کیوں نہ اتاری گئیں ان پر نشانیاں ان کے ربّ کی طرف سے۔ آپؐ فرمائیے۔ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپؐ پر وہ کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے اور اس میں مومنوں کیلئے رحمت اور نصیحت ہے۔)

حضرت محمد مصطفےٰؐ کو لوگوں کے لیے تعلیم کتاب و حکمت دینے اور ڈرانے والا خدا نے بنا کر بھیجا تاکہ معاشرہ کی اصلاح ہو۔ لوگ غلط اور برائی کا گندہ راستہ چھوڑ کر نیکی کا صاف ستھرا اور روشن راستہ اختیار کریں۔

ارشادِ خدا ہوتا ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

(اور ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی جو ہر شے کی تفصیل بیان کرنیوالی ہے۔)

بے شک خدا کی اس آخری کتاب میں کائنات کی ہر شے موجود ہے یعنی ہر شے کا علم موجود ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اسے غلافوں میں بند کر کے رکھ چھوڑا ہے اور بجائے اس سے نفع حاصل

کرتے یا ہدایت و راہنمائی حاصل کرتے۔ اس پر غور کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ؀

(کائنات کی کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں نہ ہو۔)

• حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا؛

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (الدارمی)

(میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)

• ہمیں غور کرنا ہے کہ حضرت رسول پاکؐ کسی خاص امت کے لئے نہیں بھیجے گئے اور نہ ہی کسی خاص وقت یا مدت کے لئے بھیجے گئے ہیں بلکہ قیامت تک کیلئے نظام حیات۔ نظام دنیا و آخرت اور دنیاوی و دینوی علوم کا خزانہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اُن کا کام صرف اور صرف خدا کی حکومت قائم کرنا ہے۔ ازل سے لے کر قیامت تک کا نظام حکومت ہمیں خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے اور دوسرے نبیوں کی امتوں کو بھی پابند کیا ہے کہ وہ اپنے نبی کی پیروی چھوڑ کر اس آخری نبی علیہ السلام کا اتباع کریں۔ اطاعت کریں۔ پیروی کریں۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کریں۔ قیامت تک ہر

سے ہمارے پاک نبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی تقلید کرنے اور حکم ماننے کی پابند ہے۔ جنہیں خدا نے خود تعلیم دی ہے اور حضرت رسُول پاک صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ عرب کے اس مُشرک و بیمار معاشرے کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ جو کفر و شرک۔ فِسق و فجور اور جہالت کا شکار تھا۔ اور تاریخِ عالم میں انقلابِ عظیم پیدا کیا۔

۱۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

نبیؐ کی شخصیت میں کئی استعدادیں جمع کر دی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ مقام نبوت کے اوپر مقام ختم نبوت بھی ہے اور اس مقام پر حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم فائز ہیں ان میں وہ تمام استعدادیں اور صلاحتیں جمع ہو گئی ہیں۔ جو سابقہ انبیاؑ علیہم السلام میں تھیں۔

(حجتہ اللہ البالغہ۔ حقیقت النبوّۃ و خواص)

۲۔ آپ منصبِ نبوّت پر فائز ہوئے تو وحی الٰہی کا آغاز اِن الفاظ سے ہوا جو علم پر دلالت کرتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ہ

(علق ۹۶ - ۱ تا ۵)

(پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا - آپ قرآن پڑھیے اور تیرا رب بڑا بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :

ہمارے نبی پاکؐ درحقیقت مفہمین کے تمام فنون پر حاوی ہیں - اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو امت کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا تاکہ وہ اللہ کی اطاعت کریں اور اس کی عبادت کریں - آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ آپؐ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائیں - انبیاؑ علیہم السلام کی سیرت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تہذیبِ نفس اور سیاست اور ہنتہا کے لئے علم کو بنیاد بنایا -

(حجتہ اللہ البالغہ - حقیقت النبوۃ وخواص)

(۱۷) امام بوصیریؒ کہتے ہیں :

نبی اُمیؐ کا یہی معجزہ کافی تھا کہ دورِ جاہلیت کی تاریکیوں کو علم سے روشناس کردیا اور یتیم ہوتے ہوئے بھی آپؐ کو دستِ قدرت سے

سے ادب سیکھایا۔

(بومیری۔ قصیدہ بردہ)

جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے۔

(۷) وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً ۔ (طٰہٰ - ۱۱۴)

(اور آپ کہہ دیجئے۔ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے)

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ تمام علوم کا سرچشمہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے اور وحی الٰہی ہی ذریعۂ علم و حکمت ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے۔ آپؐ کی تعلیمات زندگی کے جملہ شعبوں پر محیط ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

(۷) وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۔

(بقرہ - ۲۶۹)

(اور جسے حکمت عطا ہوئی اُسے خیر کثیر کا مالک بنا دیا گیا) ہمارے نبی پاکؐ کو جب خدا تعالیٰ نے تعلیم کتاب و حکمت کے لئے بھیجا تو ظاہر ہے کہ خدا نے جو تعلیم حکمت و دانائی بھی دی۔ اور پھر بنی نوع انسان کو خود ہی ارشاد فرما کر بتا دیا کہ جس کے پاس علم ہے وہ جاہل سے بہت بلند ہے۔ واضح یہ ہوا کہ جس کو حکمت دی اُسے خیر کثیر ملا جسے علم ملا وہ جاہل سے بہت ممتاز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۷|۱) قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ط (الزمر - ۹)

(آپ کہہ دیجئے۔ اے نبی کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔)

(viii) اور پھر عالم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (المجادلہ - ۱۱)

(اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بڑھاتا ہے۔)

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم حاصل کرنے والے کے بلند درجات ہیں۔ اسی لئے خدا خود وضاحت کر رہا ہے۔ ہمارے اوپر خدا تعالیٰ کا بہت فضل و کرم ہے کہ اُس نے ہمیں علم کی روشنی سے منور کرنے اور راہِ راست دکھانے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسے نبی کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ہمیں پاک کریں اور ہمیں تعلیم کتاب و حکمت سے روشناس کروائیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خود علم کو مقبول کرنے کے لئے اور عالم کے درجات بتانے کے لئے فرمایا!

(ix) طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

(ابن ماجہ)

(علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔)

پھر فرمایا!

(x) اَلْعِلْمُ سِلَاحٌ حَتّٰى۔ (مشکوٰۃ)

(علم میرا اسلحہ ہے)

ایک جگہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنّت کی راہ آسان کر دے گا۔

علم کا مقصد خود کو محفوظ رکھنا اور دوسروں کو تحفّظ دینا ہے مگر ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ عالم خود تو اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی ہر طرح کوشش کرتا ہے مگر دوسروں کو تحفّظ دینے کی بجائے انہیں لڑانے کی کوشش کرتا ہے اور ناجائز ذرائع اختیار کر کے اپنے مفادات حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ مسجدیں خدا کے گھر ہیں جہاں سے ہر مسلمان کو علم و حکمت کے خزانے ملنے چاہئیں مگر ہم نے اپنی اپنی برادریوں کے تحت اور مختلف فرقوں کے تحت مسجدوں کو بانٹ لیا ہے جس وجہ سے عوام میں انتشار و پریشانی حد درجہ بڑھ گئی ہے حالانکہ خدا ایک ہے۔ وَحدَہٗ لا شریک ہے۔ اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ حضرت محمدؐ خدا کے آخری نبی ہیں۔ اس پر بھی ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے۔

سب لوگ یہی پڑھتے ہیں مگر صرف اور صرف اپنے اپنے مفادات کی خاطر ہم نے مسلمان قوم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبرؐ ہیں
بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُتگر ہیں
تھا ابراہیمؑ پدر اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا، بُت بھی نئے تم بھی نئے

(۷۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص کہتے ہیں!

ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم مسجدِ نبوی میں آئے۔ دو جماعتیں وہاں بیٹھی تھیں۔ ایک جماعت ذکر و تسبیح میں مشغول تھی اور دوسری جماعت کے لوگ دین سیکھنے میں لگے ہوئے تھے۔

آپؐ نے فرمایا!

دونوں جماعتیں نیک کام میں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں ایک جماعت دوسری جماعت سے افضل ہے یہ لوگ تو ذکرِ الٰہی اور استغفار میں لگے ہوتے ہیں اللہ چاہے گا تو انہیں دے گا۔ نہ چاہے گا تو نہیں دے گا۔

رہی یہ دوسری جماعت تو یہ لوگ دین سیکھنے سکھلانے میں لگے ہوتے ہیں اور مجھے معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے یہ کہہ کر آپؐ اس جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ (مشکوٰۃ)

(xiii) ول ڈورنیٹ (WILL DURANT)

اپنی معرکتہ الآرا۔

تصنیف (THE AGE OF FAITH)

اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ

" دنیائے علم و دانش کس قدر اس صحرائی پیغمبرؐ کی مرہونِ منت ہے کہ انہوں نے قرآن کی وساطت سے عوام الناس کو جملہ مذاہب کے بالمقابل سہل ترین کم از کم متصوفانہ اور غیر رسم پرستانہ دین عطا کیا۔ جو اصنام پرستی اور شخصیت پرستی سے مبرا ہے۔ اس کے پیغام نے اس کے معتقدین کے اخلاقی۔ ثقافتی اور تہذیبی معیار کو فروغ دیا۔ سماجی مرتبہ۔ نظم و ضبط اور باہمی اتحاد کو پروان پڑھایا اور لوگوں کو آلام و مصائب اور مشکلات زندگی کا بلا چوں چراں مقابلہ کرنے کی استعداد بخشی اور ایک انتہائی حیرت انگیز۔ تاریخی توسیع کے ساتھ ان میں نئی روح پھونک دی۔"

یہ امر قابلِ تسلیم ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بدولت قیامت تک کے لئے پروردگار نے جو علم بنی نوع انسان کے لئے پہنچایا وہ نہ ختم ہونے والا ایک ایسا خزانہ ہے جو بڑھتا ہی رہتا ہے اور ایک شخص یا کوئی قوم اس خزانے کو حاصل کرنے کی جتنی بھی سعی کرتی ہے یا کرے گی۔ کامیابی اُسی کا مقدر ہوگی کیونکہ علم ایسی شے ہے جس کی بدولت پروردگار نے انسانوں کو مراتب

عطا کیے ہیں اور ان میں افضل ترین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں ارشاد ربّ العزت ہوتا ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۝ (النساء - ۱۱۳)

(اور اللہ نے آپ پر کتاب اور دانائی کی باتیں نازل فرمائی ہیں اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ خود نہیں جان سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا ہی فضل ہے)

بے شک خدائے بزرگ و برتر نے حضرت محمد مصطفےٰ کو علم اس طرح پڑھایا اور کائنات کے رموز سے اس طرح واقف کروایا جو ایک عام آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔

ارشاد ہوتا ہے:

(اسی طرح اے پیغمبر ہم نے قرآن کو - جو ہمارا حکم ہے آپ کی جانب بھیجا ہے - آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ آپ جانتے تھے ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے قرآن کو ایک ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں سیدھا راستہ دکھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آپ لوگوں کو

سیدھا راستہ بتاتے ہیں جو اس خدا کا راستہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے ۔ آگاہ رہو تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے)

و حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا !

کہ بھلائی کی کوئی ایسی بات نہیں جو میں نے تمہیں بتا نہ دی ہو اور برائی کی کوئی بات نہیں جس سے میں نے تمہیں روک نہ دیا ہو ۔

بے شک قرآن پاک تمام دینوی و دنیاوی علوم کا سرچشمہ ہے اور کوئی خشک وتر ایسی نہیں جو اس میں موجود نہ ہو اور خدائے بزرگ و برتر کا بہت بڑا احسان ہے ۔ خدائے قدوس مسلمانوں پر بہت مہربان ہے اور اس کے اتنے احسانات ہیں جو انسان گن نہیں سکتا مگر انسان ناشکرا ہے ۔ قرآن پاک خدا کی پاک کتاب بہت بڑا معجزہ ہے اور قیامت تک کے لئے تمام بنی نوع انسان کے لئے منبع علوم ہے یعنی

۱۔ علم الاخلاق
۲۔ علم الانسان
۳۔ علم طب
۴۔ علم ریاضی
۵۔ علم ھیئت
۶۔ علم نفس و قویٰ

۷۔ علم آب

۸۔ علم آتش

۹۔ علم ہوا

۱۰۔ علم جمادات

۱۱۔ علم نباتات

۱۲۔ علم حیوانات

۱۳۔ علم منطق

۱۴۔ علم قانون

۱۵۔ علم فصاحت و بلاغت

۱۶۔ علم مناظرہ

۱۷۔ علم تاریخ

۱۸۔ علم جغرافیہ

۱۹ - علم سیاحت

۲۰ - علم سیاست

۲۱ - علم معیشت

۲۲ - علم معاشرت

۲۳ - علم زراعت

۲۴ - علم تجارت

۲۵ - علم سائنس

۲۶ - علم کیمیاء

۲۷ - علم لسان

۲۸ - علم زبان و بیان

غرضیکہ اِس کائنات میں کوئی ایسا علم نہیں جو اِس قرآنِ پاک میں موجود نہ ہو۔ اسلام دینی و دنیاوی علوم کو یکجا حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت رسول پاکؐ کا فرمان ہے

و مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (جامع ترمذی)

(جو شخص علم کی طلب میں نکلے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ یہاں تک کہ وہ علم حاصل کرکے واپس لوٹے۔)

و اِنَّ العلماء ورثۃ الانبیاء

(xv) و علما نبیوں کے وارث ہیں۔

(xvi) و فقیہ واحد ارشد علی الشیطٰن الف عابد۔

(ایک فقیہہ عالم شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ بھاری ہے)

(xvii) و اذجاء الموت لطالب وھو علی حالہ مَاتَ شہیداً۔

(اگر طالبِ علم کو طلبِ علم کے راستے میں موت آجائے تو شہید کی موت مرا۔)

(xviii) و العلم نور (علم روشنی ہے)

(xix) جس شخص نے علم طلب کیا کہ وہ علماء سے مقابلہ کرنے یا بیوقوفوں میں رعب جمائے یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیرنے کے لئے استعمال کرے۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمادیں گے۔

(xx) جو شخص اللہ کی رضا کے سوا کسی دنیاوی غرض سے علم حاصل کرے گا۔ اللہ تبارک تعالیٰ اسے جنت کی خوشبو سے محروم کر دے گا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا :

انا عبدٌ من علمنی حرفاً واحد۔

(میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف کی تعلیم دی)

بے شک بنی نوع انسان پر اسلام کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ دنیا میں کسی دین، مذہب یا قوم نے تمام امیر و غریب کیلئے یکساں تعلیم نہیں دی جیسی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود معلم ہونے کی حیثیت سے دی۔

یعنی علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ درس گاہ نبوت میں جہاں سرداران قریش ملتے ہیں۔ وہیں پر ان کے ساتھ فیض یاب ہونے والے غلام بھی نظر آتے ہیں۔ خلفائے راشدین آپؐ سے تعلیم حاصل کر کے بام عروج پر پہنچے۔

ان کے علاوہ ستر صحابہ صفہ بھی اس درس گاہ میں داخل ہیں جو دن میں

لکڑیاں بیچ کر مزدوری کرتے ہیں اور اس کی آمدنی سے خود کھانے کے بعد جو بچ جاتا ہے اسے غریبوں میں اللہ کی رضامندی کیلئے تقسیم کر دیتے ہیں اور باقی وقت میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ راتوں کو خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ صحابہ مختلف صنعتیں سیکھ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ مختلف زبانوں کے سیکھنے کا مشغلہ بھی جاری ہے۔ اس درس گاہ کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ حکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے اسے جہاں پاؤ حاصل کرو۔ مگر تعلیم حاصل کرنے والے اپنے نام کے ساتھ اپنا پیشہ لکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔

۱۔ امام غزالی جولاہے کے بیٹے تھے۔ انہوں نے لفظ غزال اپنے ساتھ رکھا۔

۲۔ شمس الائمہ قدوری، کمہار کے بیٹے تھے۔ انہوں نے لفظ قدوری اپنے ساتھ رکھا۔

پس اسلام نے علم کو امراء سے نکال کر غریبوں تک پہنچایا اور تعلیم کی روشنی کو محلوں کے ساتھ ساتھ غریبوں کی جھونپڑیوں کو بھی جگمگا دیا۔

بے شک حضرت محمد مصطفےٰؐ نے بے نظیر شجاعت ہمت استقلال۔ عزم۔ یقین۔ ایمان اور حوصلے سے اپنا کام سرانجام دیا اور کامیابی حاصل کی۔

تعلیم حکمت

بے شک حضرت محمد مصطفیٰؐ نے خدا کی طرف سے عائد کردہ فرضِ منصبی مکمل طور پر نہایت کامیابی سے نبھایا۔ یعنی تلاوتِ آیاتِ قرآنی۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس۔

ارشاد ہوتا ہے!

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔

(المائدہ - ۴۸)

(ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی محافظ و نگہبان ہے) اور پھر فرمایا

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔

(آپ پر فرض ہے کہ انسانوں کے سامنے ان کی طرف نازل کردہ کلام الٰہی کی تشریح و توضیح کریں) اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب لکھتے ہیں۔

"قرآن کو تعلیمات رسول سے جدا کر کے خود سمجھنے کی فکر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر مضامین قرآن کو بتلانے یا سکھلانے کی ضرورت نہ ہوتی تو رسول کو بھیجنے کی ہی حاجت نہ تھی۔ اللہ کی کتاب کسی دوسری طرح بھی انسانوں تک پہنچائی جا سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ علیم و حلیم ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مضامین قرآن کی تعلیم و تفہیم کے لئے دنیا کے دوسرے علوم سے زیادہ تعلیم استاد کی ضرورت ہے۔ اور یہاں پر عام استاد بھی کافی نہیں بلکہ ان مضامین کا استاد صرف وہی ہو سکتا ہے جس کو حق تعالیٰ سے بذریعہ وحی شہرت ہمکلامی حاصل ہو جس میں اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

اس لئے قرآن کریم میں رسول اللہ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ قرار دیا کہ وہ قرآن کے معانی و احکام کی شرح کر کے بیان فرمائیں۔

ارشاد فرمایا گیا!

(ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ

کی نازل کردہ آیات کے مطالب بیان فرمائیں)

(معارف القرآن ۔ ج ۱ ۔ صفحہ ۳۳۵)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

کہ یہ لفظ یعنی حکمت جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے کہ اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہیں ۔ اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے ہیں ۔

(مفردات القرآن)

• ترجمہ شیخ الہند میں " تہہ کی باتیں " اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے اور لفظ حکمت عربی زبان میں کئی معانی کے لئے بولا جاتا ہے ۔ علم صحیح ۔ نیک عمل ۔ عدل و انصاف قولِ صادق وغیرہ ۔

(امام راغب مفردات القرآن)

• دراصل حکمت اس کلام کو کہتے ہیں جو جاہلیت سے روکے اور لوگوں کو اس سے بچنے میں مدد دے ۔ حکمت سے مراد علم و عقل کے ذریعہ حقیقت معلوم کرنے کے ہیں

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

دنیاوی وفنی علوم سے مراد وہ علم ہے جو حواس اور ادراک کی حس جسکو عام آدمیوں کی طبعی خوب کہتے ہیں۔ اس قسم کا علم علوم تسمیہ کے زمرے میں آتا ہے۔ جس کو علم بدیعی کہتے ہیں اور علم فطری وجدانی جو فوری ذکاوت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور یہی استدلالی علم بھی ہے۔ اعلیٰ داخلی حس جو کہ وحی کا منبع بھی ہے اور جو قانونِ دینی سے متعلق ہے۔ اسکا علاقہ ادراک کی تیزی اور حکمت اور اعلیٰ فضائل سے ہے۔ یعنی عقل مثالی یا عقل جبروتی جسکو ولی اللہ نورِ الٰہی سے موسوم کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں جہاں یہ لفظ علم وعرفان کے معنی میں استعمال میں آیا ہے۔ وہیں اسکا دوسرا اطلاق علم وعرفان کے ان اعلیٰ علمی آثار ونتائج پر بھی ہوتا ہے جن کا بڑا حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں توحید والدین کی اطاعت و تعظیم، قرابتداروں اور محتاجوں کی امداد کی نصیحت اور فضول خرچی، بخل، اولاد کشی، بدکاری، قتل ناحق اور یتیموں کے ستانے کی ممانعت، اور ایفائے عہد، ٹھیک ناپ تول، انکساری کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ان سب باتوں کو حکمت قرار دیا گیا ہے۔ حکمت کے معانی کا خلاصہ ایک ہی ہے یعنی سنّت رسول اللہ۔

امام تفسیر ابن کثیر وابن جریر نے حضرت قتادہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین اور کسی نے احکام شرعیہ کہا اور کسی نے کہا ایسے احکامِ الٰہیہ کا علوم جو علمِ رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ ان

سب کا حاصل وہی حدیث وسنت ہے۔ (شاہ ولی اللہ - البدر)

اسدی حکمت کو نبوت کے معنی میں لیتے ہیں یعنی

۲ اَلْحِکْمَةُ ھِیَ النُّبُوَّةُ

حکمت اپنی معنویت کاملہ" کے اعتبار سے نبوت و رسالت کے ہم معنی ہیں۔ گویا اس سے مراد وہ "نور نبوت" ہے جو معرفت حق اور تجلی انوار ربانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کے سینوں میں ودیعت کرتا ہے اور اس کا سب سے بڑا گنجینہ بیش بہا خزینہ اور اعلیٰ ترین سرچشمہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے ارشاد ربانی ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط (بقرہ ۲۶۹)

(اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر مل گئی۔)

اس آیت میں حکمت کا اطلاق اس کے تمام معانی پر ہو سکتا ہے لیکن تفسیر مدارک و خازن میں اس سے نبوت مراد لی گئی ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا حکمت کہلاتا ہے کیونکہ انسان کسی طور بھی خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر مکمل طور پر ادا نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرے۔ اس کی زندگی بہت کم ہے اور خدائے بزرگ و برتر کی نعمتیں بے شمار۔

ایک مرتبہ صحابہؓ نے گزارش کی، یا رسول اللہ ﷺ آپ تو اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں۔ آپ ﷺ کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہے۔ پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں

برداشت فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔

اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔

(کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں)

کہ اس کریم ذات نے مجھے کثیر نوازشات سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ یہ رات بھر کی عبادت و ریاضت تو میں تشکر و امتنان کے طور پر سرانجام دیتا ہوں قرآنِ پاک میں آلِ ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا ۝

(النساء ۵۴)

(کیا وہ اس بنا پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا کی ہیں؟ حالانکہ ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو بھی کتاب و حکمت اور بہت بڑا ملک عطا فرمایا ہے۔)

اور لقمانؑ کے بارے میں پروردگار فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ط

(اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔)

حضرت داؤدؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝

(ص ۲۰)

(اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور بحث

کے فیصلے کی قوت عطا کی تھی۔)

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا۔

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ (الزخرف ۶۳)

(اور جب عیسیٰ واضح اور روشن معجزے لے کر آئے تو کہا میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو تم کو صاف صاف بتادوں تو تم لوگ خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔)

حکمت علم و عقل کے ذریعے حق بات تک پہنچنے کا نام ہے۔ اللہ کی طرف نسبت دی جائے تو اس کے معنی ہیں حقائق اشیاء کو جاننا اور مرتبہ کمال پر پیدا کرنا اور انسان کی طرف نسبت سے حکمت کے معنی ہیں موجودات کو جاننا اور اعمالِ خیر کرنا۔

(المفردات فی غریب القرآن ص۱۲۷ مطبوعہ کراچی)

امام مالکؒ و ابو زرینؒ کا قول ہے۔

اَلْحِكْمَةُ الْفِقْهُ فِي الدِّيْنِ وَالْفَهْمُ الَّذِي هُوَ سَجِيَّةٌ وَنُوْرٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

(یعنی حکمت دین کی اس سوجھ بوجھ کا نام ہے جس کا ملکہ فطری طور پر ودیعت کیا گیا ہو۔ اور جو اللہ کی جانب سے ایک نور ہے۔)

اَلْحِكْمَةُ عِبَارَةٌ عَنْ مَعْرِفَةِ اَفْضَلِ الْاَشْيَاءِ بِاَفْضَلِ الْعُلُوْمِ۔

(بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے سے جاننا حکمت ہے۔)

(لسان العرب ابن منظور جز ۱۵ ص ۱۴۰ مطبوعہ مصر)

اَلْحِكْمَةُ الْعِلْمُ وَالْفِقْهُ وَالْعَدْلُ۔

دراصل انسان نے اس دنیا میں امتحان دینا ہے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد آخرت یعنی اخروی دنیا کیلئے اپنا مقام بنانا ہے۔ یعنی جنت یا دوزخ چنانچہ امتحان میں کامیابی حاصل کرنے اور خدا کی نعمتیں حاصل کرنے کیلئے سنتِ نبوی ہی صحیح اور واضح راستہ ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم کامیاب وکامران ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں آیت ۲۱ تا ۹ ۳ میں عقائد و اعمال کے متعدد محاسن اور اوامر و نہی کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

(یہ وہ حکمت کے جواہر پارے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف وحی کی ہے)

پھر حضرت محمد مصطفیٰ کو ہدایت کی جاتی ہے۔ سورۃ انعام میں متعدد انبیائے کرام کے متعلق فضائل بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ (انعام ۹۰)

(یہ وہ لوگ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرو)

پس رسول اللہؐ زکوٰۃ اور ان تمام دیگر امور کے بارے میں جنہیں اللہ نے اپنی کتاب میں مجمل چھوڑا ہے۔ اور ان کی تفاسیر بیان نہیں فرمائی۔ اللہ کی مراد کو بیان فرمانے اور متعین کرنے والے ہیں۔

پروردگار نے حضرت رسولِ پاکؐ کیلئے حکمت کے تمام راز از بر کروا دیئے۔ اور تمام پردے اٹھا دیئے۔ گویا آپؐ نے ہر شے کی حقیقت جان لی۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں۔

"مجھے جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا (مسلم۔ بحوالہ مشکوٰۃ)

(حکمت علم، فقہ اور عدل کو کہتے ہیں۔)

سید سلیمان ندوی حکمت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اَلْحِکْمَۃُ فَہْمُ الْقُرْآنِ۔ (سیرۃ النبی، سید سلیمان ندوی جز ۴ ص ۹۰ کراچی)

(حکمت قرآن کو سمجھنے کا نام ہے)

مَا لَمْ یُعْلَمْ اِلَّا مِنْ جِہَۃِ الرَّسُوْلِ۔

(حکمت وہ ہے جس کا ذریعہ علم صرف اور صرف ذاتِ رسول ہے۔)

کُلُّ ثَوَابٍ مِنَ الْقَوْلِ وَدَتْ فِعْلاً صَحِیْحًا فَہُوَ حِکْمَۃٌ۔

(ہر وہ صحیح بات جو صحیح عمل پر منتج ہو، حکمت ہے۔)

وَضْعُ الْاَشْیَاءِ عَلٰی مَوَاضِعِہَا۔

(ہر چیز کو اس مقام پر رکھنا جو اس کے شایان شان ہے۔)

اَلْحِکْمَۃُ الدِّیْنُ الَّذِیْ لَا یَعْرِفُوْنَہٗ اِلَّا بِہٖ وَالْحِکْمَۃُ الْعَقْلُ فِی الدِّیْنِ۔ (سیرۃ النبی، سید سلیمان ندوی جز ۴ ص ۹۰ کراچی)

(حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو صرف بارگاہِ نبوت سے ملتا ہے۔ حکمت دین میں غور و فکر کا نام ہے یا اس عقل کا نام ہے جو دین کے تابع ہو

اَلْحِکْمَۃُ اَیْ السُّنَّۃُ

(قتادہ سے مروی ہے کہ حکمت سنتِ نبوی کا نام ہے۔)

مندرجہ بالا معنی کے تحت یہ واضح ہوتا ہے کہ حکمت کی تعلیم اُسی صورت میں ممکن ہے اگر حضرت محمد مصطفٰےؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کیا جائے۔ تبھی ہم صحیح منزل پر پہنچ سکتے ہیں، اور صحیح راستے کی نشاندہی بھی تبھی ممکن ہے

میں نے زمین و آسمان میں موجود تمام حقائق کو جان لیا۔" (شرح الحسنہ مشکوٰۃ)

ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے سب کچھ جان لیا۔ (مشکوٰۃ)

بے شک پروردگار نے ہی اپنے علوم میں سے جتنا مناسب سمجھا، حضرت محمد مصطفیٰ کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور سب کچھ سکھایا۔

مقصد یہ ہوا کہ لوگوں یعنی بنی نوع انسان کو دعوت الی اللہ کی طرف حضرت رسولِ پاک نے بلایا اور حکمت و شائستگی کے ساتھ۔

جناب پروفیسر منیب الرحمٰن لکھتے ہیں کہ دعوت با حکمت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اپنے موقف کی حقانیت کو محکم دلائل اور براہین قاطعہ سے ثابت کیا جائے تاکہ مخاطب کے پاس انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔

۲۔ بات کرتے وقت اپنے علمی تفوق کا سکہ جمانے کی بجائے مخاطب کی ذہنی و علمی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے کیونکہ یہاں صرف اور صرف ہدایت ہی مطلوب و مقصود ہے۔

۳۔ ہر مقام و موقع پر یکساں رویہ مفید نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کے الٹے نتائج برآمد ہوتے۔ اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں شدت کا محل ہو وہاں سختی برتی جائے اور جہاں رفق اور ملائمت مفید ہو وہاں نرم رویہ اختیار کیا جائے۔

۴۔ دعوت با حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ داعی جو کہے اور جس کا مطالبہ کرے خود بھی اس پر عمل پیرا ہو۔

۵۔ حکمت دعوت یہ بھی ہے کہ داعی جو کچھ کہے وہ محض شوکتِ الفاظ اور

زورِ خطابت کی کرشمہ سازی نہ ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اخلاص و محبت میں ڈوب کر کہہ رہا ہے۔ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ کی طرف سے دعوت الی اللہ مکمل آب و تاب اور حکمت کیساتھ عروج پر نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک میں پروردگارِ عالم اپنے مخاطب کو ہمیشہ غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ آپؐ ہمیشہ ہر ایک کے ساتھ موقع محل کی مناسبت سے بات کرتے تھے۔

شمامہ بن اثال، سردارِ اہلِ یمامہ کے ساتھ آپؐ نے اس کی بے ادبی کے باوجود نرم برتاؤ کیا، جس کے نتیجے میں وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے کہا،

"اے محمدؐ! آپؐ کی ذات، آپؐ کا دین، آپؐ کا شہر مجھے دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ناپسند تھے، مگر آج یہ ساری کائنات سے بڑھ کر مجھے عزیز ہیں۔"

(مشکوٰۃ مسلم ص ۳۴۵ کراچی)

بے شک حضرت محمدؐ مصطفیٰ کی ہر بات حکمت کے تحت تھی اور حکمت آپؐ کو خدائے بزرگ و برتر نے خود سکھائی تھی۔

انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا حضرت رسول پاکؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بیمار پڑ گیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے کہا "اسلام قبول کر لے" اس نے اپنے والد کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا، اس نے کہا "ابو القاسمؐ کا کہا مان لو" چنانچہ وہ

اسلام لے آیا تو حضرت رسولِ پاکؐ یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ اللہ تیرا شکر ہے اُس نے اسے نارِ جہنم سے نجات دی۔)

(مشکوٰۃ بخاری ص ۱۳۷ کراچی)

• حکمت کے معنی توازن و اعتدال کے ہیں - یعنی تبلیغ کا ایسا انداز جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ مثال کے طور پر عرب حالت حیض میں بھی عورتوں کے ساتھ مباشرت کرتے تھے جبکہ اس کے برعکس یہودی انہیں الگ تھلگ کر دیتے تھے اور ان کے ساتھ میل جول بھی بند کر دیتے تھے۔ حضورؐ نے راہِ اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔

• انس رضؓ بن مالک سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہود کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب عورت حائضہ ہو جاتی تو انہیں گھروں میں الگ تھلگ کر دیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے بھی اجتناب کرتے تھے تو صحابہ کرام رضؓ نے حضرت رسول پاکؐ سے اس کا حکم دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا!

تم ان سے مباشرت کے علاوہ ہر طرح کا میل جول رکھ سکتے ہو۔ (مسلم۔ جلد اوّل۔ ص ۲۴۹)

• صحیحین کی حدیث ہے!

تین آدمی امہات المومنینؓ کے پاس آئے اور آپؐ کی عبادت کا حال ان سے پوچھا۔ جب حضورؐ کی عبادت کا حال انہیں بتایا

گیا تو انہوں نے اسے کم خیال کیا اور کہنے لگے۔

کہاں ہم اور کہاں حضورؐ کا مقام ۔ اللہ نے اِن کے اگلے پچھلے گناہوں کو بخش دیا ہے۔

اِن میں سے ایک نے کہا!

میں رات بھر نماز پڑھوں گا اور سوؤں گا نہیں۔

دوسرے نے کہا!

میں صائم الدھر ہو جاؤں گا اور کسی روز بھی ناغہ نہ کروں گا۔

تیسرے نے کہا!

میں زندگی بھر شادی نہ کروں گا اور عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا۔

حضرت رسولِ پاکؐ تشریف لائے۔ ان کی باتیں سُنیں اور فرمایا!

خدا کی قسم!

میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت اور تقویٰ رکھتا ہوں مگر میں تو روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سو بھی رہتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سُنت سے روگرداں ہوا وہ مجھ سے نہیں۔

واضح ہوا کہ اسلام اعتدال کا مذہب ہے اور یہی حکمت ہے

کہ ہر ایک کو اُس کے مقام پر رکھنا۔ چنانچہ حضورؐ نے لوگوں کو یہی تعلیم دی کہ مسلمان ہر شئے کو اِس کے مقام پر رکھیں اور کسی سے زیادتی نہ کریں بلکہ اعتدال کو اپنائیں۔

حضرت رسولِ پاکؐ نے قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان کو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اُس کے احکام پر عمل کرنے کی تعلیم دی اور حتی الامکان کوشش کی کہ جس مقصد کیلئے حضرت رسولِ پاکؐ کو بھیجا گیا ہے اُسے پورا کریں۔ چنانچہ حضورؐ نے بنی نوع انسان کو کتاب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حکمت کی تعلیم بھی دی۔

۱۔ پس واضح ہوا کہ حضرت رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا یہ بھی فرض تھا کہ لوگوں کو حکمت کی تعلیم بھی دیں۔

۲۔ سُنتِ رسولِ پاکؐ حکمت ہے۔

۳۔ بقول مفتی محمد شفیع صاحب، حکمت سے مراد اسرارِ مخفیہ اور رموز لطیفہ ہے۔

(معارف القرآن ص ۳۳۵)

۴۔ حاشیہ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند میں مذکور ہے حکمت سے مراد۔ "پکی باتیں یعنی تہ کی باتیں" ہے۔

۵۔ حضرت لقمٰن علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ۔

(ہم نے لقمان کو عقلمندی دی) یعنی عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں جو پیغمبروں کے احکام و ہدایت کے موافق تھیں۔

۶۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا:

اے لوگو! تمہارے لیے ایک حد مقرر کی گئی ہے۔ اپنی حد پر رک جاؤ اور تمہاری ایک انتہا ہے۔ اپنی انتہا سے آگے نہ بڑھو آدمی دو خطروں کے درمیان ہے ایک عمر گذر چکی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے۔ انسان اپنی جان کی نجات کے لیے اپنے کو پہچاننے اور آخرت کے لیے دنیا سے لے اور بڑھاپے سے پہلے جوانی سے اور مرنے سے پہلے زندگی پس اللہ کی قسم، جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے موت کے بعد کسی سے رضا طلب کئے جانے کا موقع نہ ہوگا۔ دنیا کے اور جنّت کے یا جہنم۔

(الوسیط فی الادب۔ العربی و تاریخ صہ ۱۰۸)

۷۔ حکما اور فلاسفہ کا قول ہے۔

(انسانی صداقت کے مطابق موجودات کا خواہ وہ محسوسات ہوں یا معقولات نفس الامر کے مطابق جان لینا حکمت ہے

۸۔ جاننا چاہیئے کہ حکمت قول و فعل کی درستگی کا نام ہے اور حکیم اسی کو کہا جائے گا۔ جس میں یہ دونوں چیزیں مجتمع ہوں۔

۹۔ ایک قول ہے کہ حکمت الیشی سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی چیز کو روکنے کے ہیں گویا حکمت جہل و خطا سے باز رکھتی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ قول و فعل درست ہو اور ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھا جائے۔

دراصل حکمت۔ علم کی بلندیوں پر پہنچنے کا نام ہے اور اگر حکمت کو عملی کمال تصوّر کیا جائے تو ہم حکمت کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ حکمت انسانی طاقت کے مطابق اخلاق اللہ سے متصف ہونے کا نام ہے۔ جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

تخلقوا باخلاق اللہ۔

بے شک انسانی کمالات کا خلاصہ دو چیزیں ہی ہیں۔

۱۔ کمالِ علم

۲۔ کمالِ عمل

کمالِ علم تو یہ ہے کہ انسان کا علم و ادراک نفس الامر کے مطابق ہو اور

کمالِ عمل یہ ہے کہ انسان کا عمل سراسر عدل و صواب پر ہو۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو معراجِ انسانیت پر فائز کرتی ہیں۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ تمام انبیأ کرامؑ نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ان دونوں چیزوں کے حصول کیلئے دعائیں کی تھیں۔

حضرت رسول پاکؐ کو تمام اوصاف سے نوازا گیا۔ چونکہ آپؐ

خاتم النبیّین ہیں اس لئے تمام انبیاء علیہ السلام کے اوصاف و
کمالات آپؐ میں جمع کر دیئے گئے۔

حضرت امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ بردہ میں لکھتے ہیں
پس بلاشبہ دُنیا اور آخرت آپؐ کے جود وسخا کا ایک حصّہ ہے
اور لوح و قلم کا علم آپؐ کے علوم کا حصّہ ہے آپ کے علم کی ایک
خصوصیت تو اس کی وسعت تھی اور دوسری خصوصیت یہ تھی کہ
آپؐ کا علم کسی استاد یا کسی کتاب اور درس گاہ کا رہین منّت نہ تھا
یہ علم کسبی نہ تھا وہبی تھا - اس کا منبع و سرچشمہ خدا کی بے عیب ذات
تھی جس کا علم بھی ہر نقص و عیب سے پاک ہے -

بے شک خدا کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ اُس نے ہمیں
آپؐ کی امت میں پیدا کیا۔

تزکیہ نفس

۴- حضرت رسول پاکؐ نے خدا کے فرمان کے
مطابق اصلاح معاشرہ کے لئے چوتھا طریقہ اختیار
کیا وہ تزکیۂ نفس ہے یعنی لوگوں کے ذہنوں و دلوں سے گندگی
دور کر کے انھیں پاک صاف کرنا - پاکیزہ بنانا ہے ویسے تو
تمام انبیاء علیہ السلام دُنیا میں خدا کی طرف سے بنی نوع انسان کو
راہِ راست دکھانے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے تشریف

لائے مگر چونکہ وہ سب ایک خاص قوم یا امت کی طرف آئے اور ایک خاص وقت کے لئے تشریف لائے مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بنی نوع انسان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ اور قیامت تک نظام مصطفےٰ ہی رائج رہنا ہے اس لئے آپ کو تمام علوم سے بہرہ ور کیا گیا اور پروردگارِ عالم نے اصلاح معاشرہ کے تمام طریقے ازبر کروائے۔ جن میں سے ایک تزکیۂ نفس بھی ہے۔

● قرآنِ حکیم میں ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے فرعون کو اس طرح خطاب کرایا گیا۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۔ (۷۹-۱۸)

(اور اس سے کہیئے ! کیا تو اس کے لئے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے۔

● مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے یہاں پاکیزگی (تزکّٰی) اختیار کرنے کا مطلب عقیدے۔ اخلاق اور اعمال کی پاکیزگی اختیار کرنا ہے یعنی اسلام کو دل سے مان لینا ہے

● ابن زید کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں جہاں بھی تزکّٰی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآنِ مجید کی حسب ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں۔

(ا) وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۔

(اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے یعنی مسلمان ہوجائے۔

(iii) وَ مَا عَلَيكَ اَلَّا يَزَّكّٰى

(اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے یعنی مسلمان نہ ہو)

(iv) تزکیہ کے معنی پاک کرنا کے علاوہ ابھارنا اور نشوونما کرنا بھی ہے جیساکہ قرآنِ کریم میں کہا گیا ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس ۹ تا ۱۰)

(یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا)

(v) اسی لئے حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یہ دُعا مانگا کرتے تھے۔

اے اللہ!

میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاکیزہ کر۔ تو ہی وہ بہتر ہستی ہے جو اس کو پاکیزہ کرے تو ہی اس کا سرپرست اور مولیٰ ہے۔

(امام احمد۔ مسلم۔ نسائی)

(vi) قرآنِ پاک میں ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے!

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ۔۱۴)

فلاح پاگیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی)
مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کفر و شرک سے
رہائی دلا کر اسلام قبول کرنے کو پاکیزگی اختیار کرنا یا تزکیہ نفس اختیار
کرنا ہے (2)

یعنی برے اعمال سے توبہ کرنا اور اچھے اعمال
اپنانا ہے۔ جس کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم نے دن رات ایک کر دیا اور لوگوں کو دینِ اسلام
کی طرف بلاتے رہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہوتا ہے۔

وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
(۶۲ - ۱۰)

(وہ ان کو پاک صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کی
باتیں بتاتے ہیں)
یعنی حضرت رسولِ پاکؐ تزکیہ کرتے ہیں۔ ظاہری و باطنی
نجاستوں سے پاک کرتے ہیں۔ ظاہری نجاست لباس کی ناپاکی جسم
کی ناپاکی۔ غذا کی ناپاکی ہے۔ جبکہ باطنی ناپاکی۔ کفر و شرک کرنا
اللہ کی بجائے اس کی مخلوق میں سے کسی پر مکمل اعتماد کرنا اور
سب ہی کچھ اسی کو سمجھنا۔ فاسد خیالات و عقیدے اختیار
کرنا۔ محبت دنیا۔ تکبر۔ حسد اور بغض کی بیماری میں مبتلا
ہونا ہے۔)

بے شک حضرت رسولِ پاکؐ ایک مکمل انسان تھے۔ آپ کی زندگی میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ تھی۔ کفار تو پہلے ہی سے آپؐ کو سچا، ایماندار امانت دار مان چکے تھے۔ آپؐ کے بارے میں کسی قسم کا شک کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس۔ ۱۶)

(میں تو تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں، تو کیا تم نہیں سمجھتے۔)

حضرت رسولِ پاکؐ نے اپنے قول و فعل سے ان لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیا جو کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گم تھے۔ راہِ ہدایت ان کے لیے مشکل ترین شے تھی۔ جسے حضرت رسولِ پاکؐ نے ان لوگوں کیلئے آسان بنا دیا اور یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں سچے اور متقی بن گئے۔ اور آج زمانہ ان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔)

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔) جن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تحت بسر ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔)

حضورؐ کی حکیمانہ تعلیم کا اثر تھا کہ آپؐ کے شاگرد عدالتوں کے ایسے قاضی ہوئے کہ آج بھی عدلیہ کو ان پر ناز ہے۔ قانون کے ایسے مقنن تیار ہوئے جن کی قانون سازی آج بھی رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہ و حدیث کے ایسے آئمہ پیدا ہوئے جن کی امانت و دیانت مسلّم ہے۔ حضورؐ کی تعلیم و تربیت کے پروردہ یہ انسان جو صحابہ کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ نہ صرف شریعت مطہرہ سے واقف تھے بلکہ اس پر خود بھی عامل تھے۔ اور پیغامِ الٰہی کو اطراف و اکناف تک پہنچانے والے پہلے مبلغ بھی تھے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب - ۲۱)

(تمہارے واسطے تو خود رسول اللہ کی ذات گرامی ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس شخص کے واسطے جو خدا اور روزِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور خدا کی یاد بکثرت کرتا ہو۔)

بے شک حضرت رسولِ پاکؐ کی ذاتِ گرامی مسلمانوں کیلئے قابلِ تقلید ہے۔ اسوۂ حسنہ ہے۔ آپؐ نے پاکیزہ زندگی گزاری اور اپنے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو راہِ ہدایت دکھائی اور انہیں بھی پاک و صاف کیا۔

صاحبِ معارف القرآن صفحہ ۳۴۱ پر لکھتے ہیں۔

اِس کیلئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول اکرمؐ کے اِس دُنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے تلاوتِ آیات کا یہ درجہ ہوگیا تھا کہ پورے

جزیرۂ عرب میں قریباً قرآن پڑھا جا رہا تھا، ہزاروں اس کے حافظ تھے، سینکڑوں ایسے تھے جو روزانہ یا تیسرے روز پورا قرآن ختم کرتے تھے، تعلیم کتاب وحکمت کا یہ حال تھا کہ دنیا کے سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہو چکے تھے، تورات اور انجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے، تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بداخلاقیوں کے مرتکب افراد تہذیب اخلاق کے معلم بن گئے، بداخلاقیوں کے مریض نہ صرف کامیاب بلکہ کامیاب معالج اور مسیحا بن گئے، جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے بت پرست لوگ ایثار و ہمدردی کے مجسمے بن گئے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (۹۱۔ ۹)

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۸۷۔ ۱۴)

" امام رازی لکھتے ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ بَاطِنًا مِّنْ اَرْجَاسِ الشِّرْكِ۔ (البحر المحیط، جلد اول ص ۳۹۹)

"امام غزالی لکھتے ہیں کہ جب تک تزکیۂ نفس کی کٹھن منزلیں طے نہ ہو جائیں اخلاق وسیرت میں خوشگوار تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اپنی پوری توجہ کی عنان اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی اور نہ ہی علم وعرفان کی کیفیت حاصل ہو سکے گی جو مقصد اعلیٰ ہے۔ (المنقذ من الضلال۔ ۳۱)

تزکیہ کا تصور اگرچہ ہر مذہب اور ہر مصلح کی تعلیمات میں شامل

ہے لیکن اس کو حاصل کرنے کے ذرائع اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب
میں افراط و تفریط کا شکار ہو چکے ہیں۔
عیسائیوں کے ہاں اس کا راستہ رہبانیت سے ہو کر گذرتا ہے۔
ان کا خیال ہے کہ گناہوں کے خوف سے دنیا کو ترک کر دیا جائے۔
تمام راحتوں کو خود پر حرام کر لیا جائے۔ تمام نفسانی خواہشات سے
بالکل کنارہ کشی کر لی جائے۔ ان کے ہاں نہ صرف ازدواجی زندگی
حرام ہے بلکہ عورت کی شکل تک دیکھنا گناہ سمجھا جانے لگا۔ انہوں نے
انسانی محبت کی تمام زنجیریں کاٹ ڈالیں۔ والدین بہن بھائیوں اور
بال بچوں کے ساتھ تعلقات بھی ممنوع قرار پائے۔ چنانچہ عیسائی اولیاء
کے تذکروں میں ایسی تفصیلات موجود ہیں۔ کہ والدہ کی منت
سماجت کے باوجود اس کے سامنے تک آنے سے انکار کر دیا۔ اور ماں
نے ملاقات کے انتظار میں جان دے دی اور بیٹے کو اپنے کیے پر کوئی
افسوس نہ ہوا۔ یہ سب کچھ ان کے نزدیک خدا کو رضامند کرنے اور تزکیہ کا
بہترین ذریعہ تھا۔
قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔
(اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں
کیا تھا۔ مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت
نکال لی۔)
ہمارے حضرت رسول پاک کی زندگی بالکل صاف و شفاف ہے۔

وہ تمام اہلِ خانہ۔ عزیز و اقارب سے بھی ملتے تھے۔ عورتوں سے انہوں نے نکاح بھی کئے۔ اصحاب کے ساتھ بھی بیٹھتے جنگوں میں بھی حصّہ لیا۔ مصائب و آلام بھی جھیلے مگر سب کچھ خدا کی خوشنودی کے لئے کیا۔

پس واضح ہوا کہ حضرت رسولِ پاک صلّی علیہ و آلہ وسلّم کی ذات ہمارے لئے بہترین نمونہ تقلید ہے۔

• ترکِ دنیا کا تصوّر دراصل عیسائیت میں ابتداء سے ہی موجود تھا۔ چنانچہ رہبانیت کا تصوّر بہت جلد ان میں مقبول ہوگیا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انجیل میں حیاتِ انسانی کے لئے کوئی ضابطہ موجود نہ تھا اور نہ ہی ان کے پاس کوئی مفصّل شریعت یا واضح سنت تھی۔ اس لئے مسیحی علماء باہر کے طریقوں اور فلسفوں سے متاثر ہوئے۔ خاص طور پر مصری فقراء سے انہوں نے بہت اثر لیا۔ چنانچہ سینٹ اینتھی نے پہلی خانقاہ مصر میں قائم کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مصر میں ہر جگہ خانقاہیں قائم ہوگئیں تزکیہ کے ایسے ہی طریقے دوسرے مذاہب میں موجود ہیں۔ ہندو جوگیوں کے ہاں نفس کشی کے ذریعے اپنی اندرونی قوتوں کو نشو و نما دینے اور دنیوی زندگی سے سبق حاصل کر کے آخروی نجات اور تزکیہ کا طریقہ اب تک رائج ہے۔

حضورؐ نے فرمایا :

لاَ رَھبانِیۃَ فی الاسلام -

(اسلام میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں)

• شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس کی وضاحت کرتے ہو لکھتے ہیں -

" مجاہدہ بیوی بچوں کو چھوڑنا - راتوں میں کم سونا - فاقہ پر فاقہ کرنا - حقوق نفس کو تلف کرنے کا نام نہیں - مجاہدہ "حقوقِ نفس" کا ادا اور غیر شرعی "حظوظِ نفس" کا ترک کرنا ہے - مجاہدہ قلب کا تصفیہ ہے - روح کا تجلیہ ہے - اس کا بہترین طریقہ خیالاتِ فاسدہ کا دماغ سے نکالنا ہے جو شخص اپنے قلب و دماغ میں فاسد خیالات کی بجائے - پاک خیالات کو سلبی افکار کی بجائے ایجابی افکار کو جگہ دیتا ہے وہ اعمال سیئہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے - اس کے لئے تزکیہ نفس اور اجتناب محظور آسان ہو جاتے ہیں -

(شیخ عبدالقادر جیلانی - فتوح الغیوب اوّل)

• تزکیہ کی بنیاد " لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ " پر پختہ یقین ہے تمام انبیاء کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا - کہ شرک نہ کرو - خدا ایک ہے اُس کا کوئی مقابل نہیں - دوسرے معبودوں کی عبادت ترک کر دو - صرف خدائے واحد کی عبادت کرو - حضورؐ نے بھی شرک سے ہٹانے

کے لئے ہی اتنی جدّ وجہد کی

خدا فرماتا ہے :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(آلِ عمران - ۶۴)

(آپ کہہ دیجئے - اے اہلِ کتاب تم ایسی بات پر تو آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہو - کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا پروردگار نہ بنائے - پھر اگر منہ موڑیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہنا - ہم فرمانبردار ہیں -)

و انسان جب پروردگار کو ایک مان لیتا ہے اور دل سے اس کا اقرار کر لیتا ہے تو دل تمام اندھیروں - باطل خیالات اور غیر اللہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے - اور دل کے پاک ہونے سے انسان کے تمام جسم کی اصلاح ہو جاتی

انسان کا ہر عمل دل سے پیوستہ ہے اور دل کی اصلاح ہو جائے تو
ہر عمل بھی صحیح سمت میں ہوتا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ
کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ۔ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

(امام بخاری صحیح بخاری کتاب الایمان)

(جب قلب درست ہو جاتا ہے تو پھر اپنے معبود کا عبد بن جاتا ہے۔
اس کی تمام زندگی اپنے پورے گوشوں سمیت عبادت بن جاتی ہے۔
اس کی تمام عادات وخصائل ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتے
ہیں۔ قلب کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں بھی قلب
کی اصلاح وفساد کا تذکرہ موجود ہے۔)

ارشاد رب العزت ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا
تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا ۝

(مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے
ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں وہ ان کے ایمان
کو بڑھا دیتی ہیں۔)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝

(آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔)

ماعز بن مالک حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہؐ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تیرا برا ہو، لوٹ جا اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر لے۔ لیکن وہ شدتِ احساس سے ایسا نہ کر سکے اپنی درخواست پر اصرار کیا۔ حضورؐ نے ایسے سنگسار کر دیا۔

حضرت علیؑ خلیفۃ المسلمین ہیں۔ سخت سردی کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ مگر سردی سے بچنے کیلئے آپؑ کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ حالانکہ بیت المال ان کے پاس ہے لیکن تزکیہ نفس کی وجہ سے آپؑ بیت المال سے استفادہ نہیں حاصل کر رہے ہیں۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

اے بنی نوعِ انسان، ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر تمہیں مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے برتر وہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

حضرت رسولِ پاکؐ نے فرمایا۔

گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

(بے شک حضرت رسولِ پاکؐ نے بنی نوعِ انسان کو پاکیزہ زندگی گذارنے کی تلقین کی اور پہلے خود پاکیزہ زندگی گذاری۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

کی ہدایات کے مطابق آپؐ نے لوگوں کو اچھائی کے قریب کیا اور برائی سے دور کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

داور قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا۔ پھر اس پر بدی اور پرہیزگاری الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔ اور نامراد ہوا وہ جس نے اِسے چھپا دیا۔) (الشمس ۔ ۱۰)

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسولِ پاکؐ نے دعا فرمائی کہ "اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور پاکیزہ کر، تو ہی وہ بہترین ہستی ہے جو اسے پاکیزہ کرے تو ہی اس کا سرپرست اور مولا ہے۔" (صحیح مسلم)

حضرت رسولِ پاکؐ لوگوں کو اللہ پر ایمان، یقین اور توکّل کو مستحکم کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔ ایک بار آپؐ اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ ابن عباسؓ کو جو آپؐ کے ساتھ سواری پر تھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"اے بیٹے! اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو تو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے اور یہ جان لو کہ تمام دنیا کے لوگ مل کر اگر تم کو کوئی فائدہ یا نقصان پہنچانا چاہیں تو وہی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں پہلے سے لکھ دیا ہے۔"

پس واضح ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ہر ممکن کوشش رہی

کہ معاشرہ کی اصلاح ہو اور مسلمان پاکیزہ زندگی گزاریں خدا کے فرمان کے مطابق)

حضرت انسؓ جن کو دس سال کی عمر میں ان کی والدہ نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی خدمت میں دے دیا تھا اور اس طرح گویا وہ بھی گھر کا فرد بن گئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت رسولِ پاکؐ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ

(اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمادے۔)

(آپؐ کی دعا پر) میں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ہم آپؐ پر اور آپکی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لا چکے ہیں۔ کیا آپؐ یہ دعا اس لیے فرماتے ہیں کہ آپ کو ہمارے بارے میں کوئی اندیشہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ وہ ان کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کو نمازِ تہجد کا شوق دلانے کیلئے آپؐ نے فرمایا۔ ”حجرے والیوں کو کوئی جگا دے تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لیں کیونکہ دنیا میں آج بہت سی خواتین جو لباس میں نظر آتی ہیں۔ وہ آخرت میں لباس سے محروم ہونگی۔“

صدقات کا شوق دلاتے ہوئے آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔
”اے عائشہ مسکین کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کر کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی۔“

خوفِ خدا

(۱)

میری ذاتی رائے کے مطابق کسی بھی معاشرہ کی اصلاح کے لئے سب سے ضروری و لازمی چیز خوفِ خدا ہے۔ یعنی پروردگارِ عالم کا خوف۔ جب تک بنی نوع انسان کے ذہنوں میں خوفِ خدا نہیں ہوگا اس وقت تک اصلاحِ معاشرہ ہو ہی نہیں سکتا۔ غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم آسودہ تھی۔ خدا نے اس قوم کو رزق میں بہت زیادہ فراوانی دی ہوئی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ ماپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اور یہی ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنی۔ کیونکہ خدا انسان کو برائیوں سے بچانا چاہتا ہے اور عملِ صالح کی تلقین کرتا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(الصف۔ ۱۰)

(اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایک سوداگری کہ بچاوے تم کو ایک دکھ کی مار سے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں مال اور جان سے بہتر ہے تمہارے حق میں۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ بخشے تمہارے گناہ اور داخل کرے تم کو باغوں میں۔ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور ستھرے گھروں میں۔ بستے باغوں میں۔ یہ ہے بڑی مراد ملنی)

مندرجہ بالا آیت سے وضاحت ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے لئے خدا کے لئے اپنے گھر۔ مال۔ جان کی پرواہ نہ کرنا۔ خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہی قابل رحم و رحمت ہے۔ بے شک خدا ہی مالکِ حقیقی ہے ازل سے ابد تک۔ اسی کی طرف ہم نے لوٹ کر جانا ہے اور اسی کے حکم کے مطابق ہم نے اپنی زندگی بسر کرنی ہے۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئیے کہ ہمارے اس کام کو کوئی دیکھ رہا ہے یعنی پروردگارِ عالم۔ تو کیا ہمارا کام خدا کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ پھر خدا کے رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ نے یہ کام کیسے کیا اور اس کے لئے کیا حکم فرمایا۔ آپ جتنے مرضی قوانین بنالیں جب تک خدا کا خوف ذہنوں اور دلوں میں نہیں ہو

گا۔ اس وقت تک ہم کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے کیونکہ انسان کے بنائے ہوئے ہر قانون کا توڑ موجود ہوتا ہے اور بنانے والے نے لازمی اس میں اپنے مفادات رکھے ہوتے ہیں اور اگر قانون کوئی خاص گروہ یا پارٹی بنائے گی تو لازمی وہ قانون بناتے وقت اپنا مفاد رکھے گی اور اپنی خواہشات کو ترجیح دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین عمل کے لیے جب لوگوں پر لاگو ہوتے ہیں تو ایک خاص طبقہ ان کی زد میں نہیں آتا جبکہ خدا کا قانون ہر ایک پر لاگو ہوتا ہے اور ہر ایک پر اس پہ عمل کرنے کی پابندی ہے۔ (۱)

مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب "اسلامی ریاست" میں اسلام کے نظریہ اسلامی سیاست کے اوّلین اصولوں کی نہایت شاندار انداز میں وضاحت فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"الانبیاء نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز و محور۔ اس کی روح اور اس کا جوہر یہی عقیدہ ہے اور اسی پر اسلام کے نظریۂ سیاسی کی بنیاد بھی قائم ہے۔ اسلامی ریاست کا سنگِ بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات تمام انسانوں سے سلب کر لیے جائیں۔ کسی شخص کا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ وہ حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون بنائے اور دوسرے اس کی پابندی کریں کیونکہ

یہ اختیار صرف اللہ کا ہے:

قانون سازی صرف خدا کا حق ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم خدا کے حق کو چھیننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کلیہ یہ ہے کہ جو خدا کے حق کو چھینے وہ مشرک ہے۔ ہماری پریشانی اسی وجہ سے ہے کہ ہم اپنا کام خدا سے کروانا چاہتے ہیں اور خدا کا کام خود کرنا چاہتے ہیں۔ مثال پیش خدمت ہے۔

کسان پر فرض ہے کہ وہ صبح سویرے اُٹھے۔ اور نماز فجر ادا کرے۔ پھر اپنے کھیت میں چلا جائے۔ کھیت میں ہل چلانا اس میں بیج ڈالنا۔ کھیت کی مناسب طریقے سے کیاریاں بنانا کھیت میں پانی لگانا۔ اس میں کھاد وغیرہ ڈالنا۔ کھیت کی نگہداشت کرنا۔ فصل پکنے تک اس کی حفاظت کرنا۔ فصل پکنے تک اس کو کاٹنا۔ دانے اور بھوسہ علیحدہ علیحدہ کرنا۔ یہ کسان کا کام ہے۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ خواہ وہ اس کسان کو ایک بیج کے بدلے ایک دانہ دے۔ دس دانے دے سو دانے دے یا ہزار۔ اب اسے خدا کے فضل کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر کسان یہ سوچے کہ پہلے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے کھیت میں دانے کتنے ملیں گے یا ملیں گے بھی یا نہیں تو پھر کسان کو دانے مل گئے۔ اور یہی سوچتے سوچتے اس کا کھیت بنجر زمین میں منتقل ہو جائے گا۔ یہی حالت

جاری ہے۔

خدا نے قوانین کی کتاب بھیج دی ہے اور اپنے رسول ؐ پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت دیں۔ چنانچہ ہمارا کام اس کتاب میں دیئے گئے قوانین پر عمل کرنا ہے نہ کہ اپنے قوانین بنانے۔

دیکھئے جناب آپ نے مرسیڈیز کار خریدی ہے۔ نئی یا پرانی۔ گاڑی کے ساتھ ہی اس کار کی تیار کرنے والی فرم نے ہدایات کا کتابچہ بھی دیا ہے تاکہ اس گاڑی کو صحیح طرح چلانے کے لئے آپ کو مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ اگر آپ کا ارادہ گاڑی کو سنبھال کر چلانے کا ہے تو آپ کمپنی ہذا کی طرف سے ہدایات کے کتابچہ پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ ورنہ آپ کی گاڑی ٹھیک طرح یعنی اس کے معیار کے مطابق سروس نہیں کر سکے گی۔

سادہ سی بات ہے آپ بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر آپ ایک دس پیسے کی گولی نہیں کھا سکتے جو چند منٹوں، چند گھنٹوں یا چند دنوں کی بات ہوتی ہے مگر اپنی تمام زندگی آپ اپنے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق کیسے گزار سکتے ہیں لوگ سڑکوں پر قتل ہو رہے ہیں۔ گلیوں میں بھوکے مر رہے ہیں اور اربابِ اختیار اسمبلیوں میں بیٹھے قانون بنا رہے

یعنی خدا کا حق چھین رہے ہیں۔ ہمارا کام قانون بنانا نہیں۔ بلکہ خالق کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرنا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیراہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

ایک شخص حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی جناب کوئی ایسا طریقہ بتایئے کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں اور خدا مجھے معاف بھی کر دے۔ آپؑ نے فرمایا میرے سامنے وعدہ کرو کہ تو مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔ جا اور گناہ کر۔ آئندہ جمعہ کو آکر مجھے بتانا کہ تو نے آٹھ دنوں میں کیا گناہ کئے ہیں۔

وہ شخص آیا اور عرض کی جناب یہ ناممکن ہے۔ آپ سے عہد کی وجہ سے میں کوئی گناہ نہیں کر سکا۔ کوئی اور طریقہ بتایئے۔

آپؑ نے فرمایا۔ اچھا ٹھیک ہے ایسا کرو کہ خدا کا رزق چھوڑ دو۔ گناہ کرتا جا میں تجھے بچا لوں گا۔

وہ شخص پھر آیا اور عرض کی اے امامؑ۔ ناممکن ہے۔ رزق کو کیسے چھوڑ دوں۔ کوئی اور طریقہ بتایئے۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا۔ جا اور خدا کی حد سے باہر نکل کر گناہ

وہ شخص پھر آیا اور پھر عرض کی اے امام یہ بھی ناممکن ہے۔ کوئی
ور طریقہ بتایئے۔
آپؑ نے فرمایا۔ جا اور وہاں جا کر گناہ کر جہاں خدا تمہیں دیکھ
نہ رہا ہو۔
جب وہ شخص پھر آیا۔ تو امامؑ نے فرمایا۔ تُف ہے تم پر۔ کھاتے
اسی کا رزق ہو۔ رہتے بھی اسی کی زمین پر ہو اور پھر بھی اس کا حکم
نہیں مانتے۔ خدا کی قسم توبہ کر لو۔ ورنہ میں دوزخ کی آگ میں
تمہیں دیکھ رہا ہوں۔
حضرت سعید بن خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول
پاکؐ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی امر خلاف شرع کو دیکھے
تو اس کو اپنے ہاتھوں سے تبدیل کرے۔ اگر ہاتھوں سے
تباہ و برباد کرنے کی قوت نہ ہو تو پھر زبان سے منع کر دے
اور زبان سے منع کرنے کی قوت نہ ہو تو پھر دل سے بُرا جانے
یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔
(مشکوٰۃ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۵۵)
دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ راوی
ہیں جس قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو گناہ کرتا ہو اور قوم اس کو
گناہ سے روکنے پر قدرت رکھتی ہو اور پھر بھی نہ روکے تو

خداوند تعالیٰ موت سے پہلے اس کو اپنے عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔

خدا تو خود رسول پاکؐ سے فرماتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ؕ

(بنی اسرائیل ۔ ۸۰)

(اور دعا کرو۔ اے پروردگار مجھ کو جہاں بھی داخل کرو سچائی کے ساتھ داخل کر۔ جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار مددگار بنا)

ابھی ہم اصلاح معاشرے کے لئے خدا نے جو مکمل نظام اپنے رسول پاکؐ کے واسطے سے ہم تک پہنچایا۔ تفصیلاً جائزہ لیتے ہیں۔ شاید ہم میں سے کوئی سعید روح اس سے استفادہ کر سکے۔

توحید

خدا کو ایک ماننا۔ یکتا تسلیم کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اسی کی عبادت کرنا۔ اس کو مکمل طور پہ اپنا حاکم تسلیم کرنا۔ کفر و شرک سے بچنا۔ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا۔ یہ سب کچھ توحید کے زمرے میں آتا ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰؐ خاتم النبیین تک جتنے بھی انبیاءؑ حضرات اس دنیا میں تشریف لائے۔ سب کا ایک مشترکہ اہم کام تھا وہ یہ کہ بنی نوع انسان کو شرک و الحاد سے بچا کر ایک خدا ہی کو اپنا حاکم حقیقی ماننے پر مجبور کریں۔ اور پھر کلمۂ حق پڑھ لینے کے بعد وہ اپنے آپ کو خدا کے احکام کے پابند بنائیں۔ کیونکہ جس طرح ہم کوئی دنیاوی چیز اس کے بنانے والے کی ہدایات کے بغیر استعمال نہیں کر سکتے تو اپنی تمام زندگی جو کہ خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے اسے ہم خالق حقیقی کی ہدایات کے بغیر کیسے گزار سکتے ہیں۔ جس طرح ہم ایک دوائی ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر استعمال نہیں کر سکتے تو پھر ہم یہ زندگی نبیؐ کی مرضی کے خلاف کیسے گزار سکتے ہیں۔

آپؐ نے اپنی دعوت الٰہی کی بنیاد دعوت توحید پر رکھی تھی یہی وہ کلمۂ وحدت تھا جس پر آپ نسل انسانیت کو مجتمع کرنے کا عزم بلند لے کر اٹھے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپؐ نے پہلی دفعہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنے مخالفین سے صداقت اور امانت اور اعلیٰ و بلند کردار ہونے کا اعتراف کروالیا اور دعوت توحید کے الفاظ زبان سے بلند کئے تو ابولہب فوراً بولا۔ تبا لک یا محمد۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ تبت کو نازل فرمایا جیسا کہ سورہ التغابن میں ارشاد ہوتا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

(التغابن ۔ ۱)

(جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے خدا ہی کی تسبیح کرتی ہے۔ اسی کی بادشاہت ہے اور تعریف اسی کے لئے سزاوار ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے)

بے شک حضرت رسول پاکؐ نے لوگوں کو دعوت دی توحید اسی طرح دی جیسے کہ خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا تھا۔

لقد جاءکم من اللہ نور و کتب مبین ۝

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ
السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ط

(تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی۔ ایک واضح کتاب آگئی ہے۔ جس کے ذریعے وہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے مطابق چلتے ہیں۔ امن و سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے اذن سے انہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے)

حضرت رسول پاک ؐ نے فرمایا۔

"ایک کلمہ ہے اسے تم اختیار کر لو تو اس کے نتیجے میں سارا عرب تمہارے سرنگوں ہو جائے گا اور تمام عجم تمہارے پیچھے چلے گا"

قرآن پاک گواہ ہے کہ تمام انبیاءؑ نے جب اپنی اپنی امتوں کو دعوتِ توحید دی تو سب کی قدر مشترک یہ تھی کہ کفار یہ سوال کرتے۔

"کیا ہم وہ طریقہ عبادت ترک کر دیں جس پر ہمارے آباؤ اجداد برسوں سے عمل کرتے آئے ہیں"

تمام پیغمبر حضراتؑ نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے دعوتِ توحید دی۔ یعنی خدا کو یکتا تسلیم کرنے کی دعوت

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے

یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ

(اے اہلِ کتاب! آؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مانی ہوئی ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں)

حضرت رسول پاکؐ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے کہا جب انہیں سردارانِ قریش نے نقصان پہنچانے کی دھمکی دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں اور چاہیں کہ میں تبلیغ دین کے کام کو ترک کر دوں تو مجھے منظور نہیں یا اللہ میرے مشن کو کامیاب کرے گا یا میں اس راستے میں جان دے دوں گا۔"

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کا یہ نبیؐ دعوتِ توحید کے لئے مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہا ہے۔ کبھی بدر کے میدان میں روزے رکھ رہا ہے۔ کبھی جنگِ خندق میں اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھ کر خندق کھود رہا ہے۔ کبھی اُحد کی گھاٹی میں اپنے دندانِ مبارک شہید کروا رہا ہے اور خیبر کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ خدا کا یہ رسول دین اسلام کی سربلندی کے لئے میثاق مدینہ لکھوا رہا ہے اور کبھی صلح حدیبیہ پر دستخط کر رہا ہے۔ اور خدا فرما رہا ہے۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ
عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ط
(ان لوگوں کے حال پر غم کر کے کہیں
آپ جان ہی نہ دے بیٹھیں)

آپکی کوشش یہ ہے کہ آپ بنی نوع انسان کو اللہ کی معرفت اور پہچان عطا کر کے ان کا زاویۂ نگاہ اور نقطۂ نظر تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ایک زندۂ جاوید اور عظیم و برتر خدا پر یقین کامل کرتے اور ایمان لانے کے لیے دعوت دے رہے ہیں۔ جو ان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید
(جو ان کی رگِ جان سے زیادہ قریب ہے)
امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف
السوء
(جو ان کے دلِ اضطرار کی پکار سنتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے)
لہٗ مقالید السموٰتِ والارض ط
(جو زمین و آسمانوں کے خزانوں کا مالک ہے)
اور پھر خدا فرماتا ہے۔

(ایمان کا مزا چکھا اس شخص نے جو اللہ کو اپنا رب ماننے اسلام کو اپنا دین ماننے اور محمد کو اپنا رسول تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا)

حضرت رسول پاکؐ نے اسی کلمۂ توحید کے سبب دنیا کو فتح کیا اور تعمیر انسانیت کی۔ اس معلم اعظم نے اس طرح اصلاحِ معاشرہ کی کہ بنی نوع انسان نہ صرف ظاہری طور پر پاک و صاف زندگی گزارنے لگے بلکہ باطنی طور پر بھی وہ ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ خدا پر ایمان ہی دراصل وہ جائے پناہ ہے جہاں دنیا کے دھتکارے ہوئے لوگوں کو پناہ ملتی ہے اور ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد پھر غلام بھی تقویٰ کی بنا پر اپنے آقا سے برتری حاصل کر سکتا ہے۔

کلمۂ توحید ہی وہ شجرۂ سایہ دار ہے جس کے نیچے ہر انسان کے لیے پناہ ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں اور اس شجر طیبہ کی آبیاری حضرت محمد مصطفےٰؐ نے اپنے خون سے کی۔ کبھی اپنے اوپر گندگی پھینکوائی اور کبھی طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے مگر تبلیغ دین میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جیسے کہ خود خدا فرما رہا ہے۔

"کیا تم نہیں دیکھتے۔ اللہ نے کلمۂ طیبہ کو کس چیز سے تشبیہہ دی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

(النساء ـ ۱۰۰)

(اور جو شخص اپنے گھر سے جلاوطن ہو کر خدا اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اس کو موت آ جائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ہو گیا ہے اور خدا تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)

پس جو بھی خدا کو یکتا مانتے ہوئے اس کے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے گا. اس کی طرف سے بھیجے ہوئے رسولؐ کے نقش قدم پر عمل کرے گا. حقیقی کامیابی اسی کی ہو گی۔ اور وہ دنیا و آخرت میں فلاح پائے گا۔ کفر و الحاد کو چھوڑ کر بتوں سے سجدے کرنے سے پرہیز کرکے۔ ان کی عبادت کرنی ترک کرکے صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر ہی کو اپنا معبود مان کر اسی کے آگے سجدہ ریز ہونا ہی سب سے بڑی بات ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان نے خدا کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا اور ان کو احکام کے مطابق اپنی زندگی گزارنے پر تیار ہو گیا اور اپنے دل و ذہن میں خوف خدا ہی کو اپنا اوڑھنا و بچھونا بنا لیا تو اسی کے لئے کامیابی و کامرانی ہے۔ اسی نے ہی منزل

کے حکم سے پھل دے رہا ہے"

بے شک یہ ایک ایسا شجرہ طیبہ ہے جس پر ہر وقت بہار ہی بہار ہے اور خزاں کا کوئی پتہ نہیں۔ نہ ہی کسی کو سوچنا چاہیئے کیونکہ جب بھی اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی خدا نے اس کی حفاظت کے لئے خود بندوبست کر دیا اور حضرت رسول پاک کے وفاداروں نے اپنے نبیؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس شجرہ طیبہ کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کفر و شرک و الحاد کو چھوڑ کر لوگ کلمہ توحید کی ٹھنڈی چھاؤں میں پناہ لینے کے لئے جمع ہو گئے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی لاانفصام لہا

(اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں)

بے شک جب بھی کسی انسان نے کفر و الحاد و شرک کا راستہ ترک کر کے خدا اور اس کے رسولؐ کا راستہ اپنا لیا۔ خدا ہی کو اپنا حاکم حقیقی تسلیم کر لیا وہی کامیاب و کامران ہے اور اسی نے فلاح پائی۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

مقصود کو پا لیا اور جنت میں اپنا راستہ بنا لیا۔

عدل

اس کائنات کا نظام عدل پر قائم ہے۔ خدائے بزرگ ہر شئے کو ایک خاص حکمت کے تحت اس کو اپنے مقام پر رکھا ہوا ہے۔ یعنی آسمان ایک خاص نظام کے تحت بغیر ستونوں کے خلا میں معلق ہے اور اس پر چاند ستارے اور سیارے اپنے اپنے بنائے ہوئے راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ ان کے درمیان خدا نے عدل قائم کیا ہوا ہے یعنی انہیں ایک خاص حکم دیا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس کائنات کا نظام چل رہا ہے۔

اسی طرح بنی نوع انسان کو خلق کرنے کے بعد انہیں بتا دیا کہ دیکھو تمہارے لئے دو راستے ہیں۔ نیکی اور بدی۔ اچھائی اور برائی۔ اگر تم نیکی کا راستہ اپناؤ گے تو کامیاب و کامران ہو گے۔ اور اگر برائی کرو گے تو گھاٹے میں رہو گے۔ اس میں تمہارے لئے نقصان ہے۔ اور خدا نے ایک دن مقرر کیا ہوا ہے۔ انصاف کا دن یعنی عدل کا دن۔ اس دن نیک لوگوں

کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور بُرے اعمال کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور اس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو گی اور نہ ہی کسی کا لحاظ کیا جائے گا۔ بلکہ ہر ایک کا اس کے نیک و بد اعمال کا صحیح فیصلہ کیا جائے گا۔ یعنی جنت و دوزخ۔

جیسا کہ سورہ الحمد میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ

(الحمد۔ ۱تا۳)

(سب تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں۔ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان۔ رحم والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے)

مندرجہ بالا آیات میں واضح ہوتا ہے کہ پروردگار عالمین کا رب ہے۔ بڑا مہربان رحم والا ہے اور روزِ جزا کا مالک ہے۔ یعنی جزا کے دن کا مالک ہے۔ عدل کے دن جس دن فیصلہ کیا جائے گا خدائے بزرگ و برتر نے جزا و سزا کا نظام اسی لئے رکھا ہوا ہے تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا فضل و کرم سب کے لئے برابر ہے یعنی پانی موسیٰؑ کو بھی ملے گا اور فرعون کو بھی۔ رزق ابراہیمؑ کے لئے بھی

ہے اور نمرود کے لئے بھی ۔ مگر یہ انبیاء نیک لوگ ہیں ۔ ان کو
خدا نے نیک اعمال کی دعوت دینے کے لئے منتخب کیا ہے
تاکہ اصلاح معاشرہ ہو اور بنی نوع انسان غلط راستہ چھوڑ دیں
برائی و بدکاری ترک کر دیں اور اچھے راستہ کو اپنائیں ۔ سورہ لقمان
میں ارشاد ہوتا ہے ۔

يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۚ

(لقمٰن - ۱۷)

(اے بیٹا نماز پابندی سے پڑھا کرو اور اچھا کام کرنے کو
کہو اور برے کام کرنے سے روکو اور جو مصیبت تم پر پڑے اس
پر صبر کرو ۔ بے شک یہ ہمت کا کام ہے)

بے شک پروردگار کا ہر حکم و فعل عدل پر قائم ہے یعنی ہر ذی
روح کو اس کے کئے کے مطابق جزا و سزا ملے گی اور کسی کو کچھ کہنے
کا موقع بھی نہ ملے گا ۔ جیسا کہ سورہ لقمان میں واضح کیا گیا ہے ۔ کہ
کام اچھا ہو یا برا ۔ بڑا ہو یا رائی کے دانے کے برابر چھوٹا ۔ کسی چیز
کے اندر ہو یا زمین و آسمان میں ۔ عدل کے دن خدا اس کو نکال باہر
لائے گا اور انسان کو پورا پورا انصاف ملے گا ۔ کیونکہ خدا بڑا باریک
بین ہے اور کائنات کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں اور

ہی مخفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عادل کے دن ظالموں کو سزا ملے گی اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے حج کے دوران حاجیوں کو پانی پلایا اور خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور دل میں خیال کیا کہ ان کا کام دوسرے باایمان لوگوں سے افضل ترین ہے اور وہ اس شخص سے بہتر ہیں تو خدا نے ان کے دل کی بات جان لی اور وحی کے ذریعہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو پیغام دیا کہ وہ اللہ کے فرمان کی وضاحت کر دیں۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

(توبہ - ۹ تا ۲۲)

(کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس شخص کے ہمسر بنا دیا ہے جو خدا اور آخرت پر ایمان لایا اور

خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں اور خدا ظالم لوگوں کی حمایت نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے اور ہجرت اختیار کی۔ اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ خدا کے نزدیک درجہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ فائز ہونے والے ہیں۔ ان کا پروردگار۔ ان کو اپنی مہربانی اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی عیش ہوگا اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ابدالآباد تک رہیں گے بے شک خدا کے پاس تو بڑا اجر ہے)

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ عدل کرتا ہے اور اگر کوئی اپنے دلوں میں گمان بھی کرے کہ وہ ان نیک لوگوں سے بلند ہیں جنہوں نے خدا پر ایمان لایا۔ خدا کے لئے اپنے گھروں کو چھوڑا۔ اور مال و جان سے جہاد کیا۔ ہمیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ معمولی سا کام کر کے اپنے آپ کو اُن لوگوں پر قابل ترجیح سمجھنے لگے جن کے خدا کے ہاں بلند درجات ہیں تو خدا ایسے لوگوں کو ظالم کہتا ہے اور انہیں بے انصاف گردانتا ہے۔

حالانکہ حج کے دوران حاجیوں کو پانی پلانا بھی بڑی نیکی کا کام ہے اور پھر خانہ کعبہ کی تعمیر بھی بہت بڑی نیکی ہے مگر ان لوگوں نے انہیں اپنے آپ کو اُن لوگوں کے مقابل بلند سمجھا جنہوں نے

اپنی زندگیاں خدا کے حوالے کر دیں اور اس کے بدلے میں خدا سے ساری کی ساری رضائیں حاصل کر لیں تو خدا ایسے لوگوں کو جو معمولی سا کام کر کے دوسروں پر اپنی فوقیت جتانا چاہتے ہیں ظالم اور بے انصاف گردانتا ہے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے بھی انصاف پر قائم رہیں اور عدل کریں کیونکہ عدل ستون ہے دین اسلام کی اس شاندار عمارت کا جس کی تعمیر حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے کی۔ یہ تمام کے تمام انبیا کرامؑ اصلاح معاشرہ ہی کی کوشش کرتے رہے اور دنیا کو جہالت سے روشنی کی طرف لے جانے کے لیئے اپنی سر توڑ کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ آج ہم مسلمانوں کا کام بھی یہ ہے کہ ہم بھی روزمرہ زندگی میں عدل کریں اور حقدار کو اس کا حق دیں۔ حق دار سے اس کا حق چھیننا ظلم ہے اور بے انصافی ہے۔ اگر ہم نظام عدل کو صحیح طرح اپنا لیں تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ معاشرہ کی آدھی اصلاح خود بخود ہو جائے مگر حرص و ہوس ہمیں ایسا کرنے نہیں دیتی۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل - ۹۰)

(اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور نیکی کرنے اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے کو منع کرتا ہے۔ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

مندرجہ بالا آیت سے وضاحت ہوتی ہے کہ خود خدا بھی عدل کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ وہ انصاف کریں اور احسان کریں۔ حقدار کو اس کا حق پہنچائیں۔ چنانچہ انصاف کرنا۔ احسان کرنا اور حقدار کو اس کا حق پہنچانا نیکی ہے جس میں قرابت دار بھی شامل ہیں اور بدکاری۔ ناشائستہ حرکتیں اور سرکشی بد اعمال ہیں۔ چنانچہ خدا اُن سے منع فرما رہا ہے اور لوگوں کو نصیحت کر رہا ہے تاکہ لوگ نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے منع کریں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رسول پاکؐ کی زندگی عدل کی تعبیر ہے اور آپؐ نے ہر موڑ پر انصاف فرمایا۔ لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا اور بدی سے منع فرمایا۔

چنانچہ قریش کے سرداران کی ایک بیٹی چوری کے الزام میں آپؐ کے سامنے پیش کی گئی۔ آپؐ نے بڑی بڑی سفارشوں کو چھوڑ کر اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا دیکھو تم سے پہلی قومیں اس لیے تباہ و برباد ہو گئیں کہ جب ان کا بڑا آدمی کوئی بُرا عمل کرتا تو وہ درگزر کرتے اور جب کوئی معمولی آدمی وہی جرم کرتا تو اس کے

ملنے سزا ہوتی۔ خدا کی قسم۔ فاطمہ بنت محمد بھی اگر چوری کے الزام میں پیش ہوتی تو اسے بھی یہی سزا ملتی۔

دوسرا بڑا مشہور واقعہ ہے کہ جب آپؐ نے آخری خطبہ میں فرمایا کہ دیکھو اگر مجھ سے کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو تو وہ آج محمد بن عبداللہ سے اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ ایک شخص بڑھا اور عرض کی۔ یا رسول اللہؐ آپؐ نے مجھے ناجائز کوڑا مارا تھا۔ چنانچہ حضرت رسول پاکؐ نے گھر سے وہی کوڑا منگوایا۔ تو اس نے عرض کی کہ جب مجھ کو کوڑا لگا تو میرا جسم ننگا تھا۔ آپؐ نے اپنی قمیض اتار دی اور اسے کوڑا مارنے کو کہا۔ اس شخص نے بڑھ کر مہر نبوت چوم لی۔

خدا ہمیں اور ہمارے حاکموں کو بھی خدا کے اس حکم یعنی عدل پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر معاشرہ میں عدل قائم ہو جائے تو اصلاح معاشرہ بڑی معمولی سی بات رہ جاتی ہے۔

خدائے بزرگ و برتر پر ایمان لانے اور اسے حاکم حقیقی تسلیم کرنے کے بعد اس کی طرف سے انبیائے کرامؑ پر ایمان لانا اور اپنے وقت کے نبی کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰؐ خاتم النبیین تک ایمان لانا بنی نوع انسان کے مومن بننے کی نشانی ہے۔ چونکہ ہم محمد مصطفیٰؐ کی امت سے تعلق رکھتے ہیں اور آپؐ خدا کی طرف سے آخری نبیؐ ہیں۔ چنانچہ آپؐ پر ایمان لانا آپؐ کو اپنے ماں باپ۔ اولاد۔ عزیز و اقارب اور اپنی جان سے زیادہ اہمیت دینا ہم پر فرض ہے۔ نہایت ضروری ہے اور پھر آپؐ کی اطاعت کرنا۔ کیونکہ اطاعت خدا۔ اطاعت رسول کے بعد آتی ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ رسول کے وسیلہ ہی سے ہمیں خدا کے متعلق معلوم ہوا اور اسی ذریعہ سے ہمیں خدا کی عبادت کرنے کا سلیقہ آیا۔ اسی نبی کے طفیل ہی ہمیں خدا کے احکامات کا پتہ چلا حضرت رسول پاکؐ کا فرمان ہے۔

لا یومن احدکم حتیٰ کون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

(حضرت انسؓ بن مالکؓ۔ راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ تم میں کوئی مومن نہیں ہوگا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

امام بخاری نے "صحیح" میں روایت کیا ہے۔ کہ حضرت ابی سعید بن المعلیٰ فرماتے ہیں۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اکرمؐ نے مجھے یاد فرمایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کی اے حبیب اللہ جب حضور نے اس غلام کو یاد فرمایا میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اب فارغ ہو کر بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اے ابی سعید کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا۔

یاایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

(الانفال)

(اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار پر۔ جب وہ رسولؐ بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں)

مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل اطاعتِ رسول اطاعت خدا ہے اور اگر حضرت رسول پاکؐ کسی مومن کو بلائیں تو خواہ نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو اسے اللہ کے رسول کی طرف پلٹ آنا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا۔ اے علیؑ جب آپ ہجرت کی رات بستر رسول پر سوئے۔ باہر ننگی تلواریں جن زدن میں آپ کا قصہ تمام کر سکتی تھیں تو آپؑ کو خوف نہیں آیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں زندگی میں صرف ایک رات آرام کی نیند سویا اور وہ ہجرت کی رات تھی۔ جب اللہ کے رسول نے مجھے یہ فرمایا کہ علی یہ امانتیں ہیں۔ تم ادا کر کے صبح مدینہ آجانا تو یقین ہو گیا کہ یہ ننگی تلواریں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اور اس رات ایسا سویا کہ رات کی عبادت بھی بھول گیا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(الاعراف - ۱۵۷)

(پس کہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مراد پائیں گے)

پس مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوا۔ قرآن مجید گواہ ہے۔

۱۔ جو کوئی رسول کی اطاعت کرے گا وہی اللہ کا مطیع ہو گا

۲۔ اہل ایمان کسی بھی عمل میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے

نہ کریں گے۔

۳۔ رسول پاک کو عامیانہ انداز میں نہ مخاطب کیا جائے۔

۴۔ حضورؐ کے حضور اپنی آوازیں ان کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو۔ مبادا کہ تمہارے اعمال ضبط و برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

۵۔ حضورؐ کے حضور ان کی شایانِ شان القاب و خطاب و الفاظ لکھے اور بولے جائیں۔

۶۔ نبی تو اہلِ ایمان کے لئے ان کی جانوں پر مقدم ہیں۔

۷۔ حضرت رسول پاکؐ نے خیر و فلاح اور دلداری کا جو عملی مظاہرہ فرمایا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ایک روز بیت اللہ کی دہلیز پکڑ کر فرمایا۔ کہ اے بیت اللہ تو مجھے بڑا محبوب ہے اس لئے کہ تو اللہ کا گھر ہے۔ لیکن یاد رکھ۔ تجھ سے کہیں زیادہ عزیز مجھے وہ دل ہے جس میں ایمان بستا ہے۔

بے شک حضرت رسول پاکؐ نے ہمیشہ اپنی امت کی خیر خواہی چاہی۔

آپؐ نے فرمایا۔

اپنے درمیان السلام علیکم کو عام کرو۔ خون کے رشتہ داروں کو ملاؤ، دوسروں کو کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں۔ اٹھ کر نماز پڑھو۔ تو تم سلامتی اور خیر کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے

اصلاح معاشرہ۔ حسنِ معاشرت اور باہمی خیر و فلاح کے اسی اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے پروردگارِ عالم نے حضرت رسولِ پاکؐ کو نو باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

۱۔ میرے رب نے مجھے نو باتوں کی تاکید فرمائی ہے کہ میں چھپ کر اور کھلے بندوں ہر حال میں اخلاص سے کام لوں۔

۲۔ راضی ہونے یا غصہ میں ہونے کی دونوں حالتوں میں عدل و انصاف سے کام لوں۔

۳۔ امیری اور فقیری دونوں میں میانہ روی اور اعتدال کو اپناؤں

۴۔ جس نے مجھ سے زیادتی کی ہو درگزر کروں۔

۵۔ جو مجھ سے چھینتے ہیں اُس کو عطا کروں۔

۶۔ جو مجھ سے رشتہ توڑتے ہیں اس سے جوڑوں۔

۷۔ میری خاموشی غور و فکر کے لئے ہو۔

۸۔ میرا بولنا اللہ کے ذکر کے لئے ہو۔

۹۔ میرا دیکھنا حصولِ عبرت کی خاطر ہو۔

بے شک جس نے بھی صحیح طریقہ سے حضرت رسول پاکؐ کی اطاعت کی اسی نے کامیابی و کامرانی حاصل کی اور جس معاشرہ نے بھی حضرت محمد مصطفیٰ کے بتائے ہوئے راستے کو اپنایا وہی اصلاح کی عروج پر پہنچا۔ آپؐ نے فرمایا۔

اے مخاطب باہمی رحمت اور آپس کی محبت اور دوستی میں تو

ایمان والوں کو ایک انسانی جسم کی مانند پائے گا کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی شکایت لاحق ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم درد و کرب۔ بیداری اور بخار میں چلا اٹھتا ہے۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ حضرت رسول پاکؐ نے معاشرہ کی اس طرح اصلاح کی کہ زیورات سے لدی ایک نوجوان عورت تن تنہا حضرموت سے یمن تک سفر کرتی ہے اور کوئی برے ارادے سے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

پس ہمیں بھی اسوۂ حسنہ پر چلنے کے لیے ہمہ تن کوشش کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ آپ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

(اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)

بے شک اصلاح معاشرہ کے لیے جزا و سزا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے حضرت رسول پاکؐ کو اس لیے بھیجا کہ وہ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کے بدلے انعام و اکرام کی خوشخبری سنائیں اور برے کام کرنے والوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں اور پھر ارشاد ہوتا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

(بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو)

پروردگار عالم نے جو کہ خود رب العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پروردگار ہے اپنے اس محبوب نبیؐ کو تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان پر اپنی آخری کتاب قرآن پاک نازل فرمائی تاکہ وہ تلاوت آیات قرآنی کریں۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور بنی نوع انسان کا تزکیہ نفس کریں۔ ظاہر ہے کہ جتنا بڑا کام ہو گا اتنی ہی بڑی ذمہ داری ہو گی۔ آپؐ سے پہلے جتنے بھی نبیؑ تشریف لائے وہ ایک خاص قوم اور معین مدت کے لئے بھیجے گئے مگر آپ قیامت تک کے لئے تمام جہانوں کے لئے معبوث فرمائے گئے۔ یعنی نہایت عظیم ذمہ داری آپؐ کو سونپی گئی۔ چنانچہ خدا خود فرماتا ہے

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝

(المزمل - ۵)

(ہم عنقریب تم پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالیں گے)

بے شک حضرت رسول پاکؐ نے یہ ذمہ داری نہایت احسن طریقے سے انجام دی اور اللہ تعالیٰ نے بھی دین اسلام کو اپنا پسندیدہ دین منظور کر لیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (المائدہ - ۳)

(آج کے دن کامل ہو گیا تمہارا دین اور تم پر تمام کیں اللہ نے نعمتیں اور دینِ اسلام پسند کیا)

ہم سب مسلمانوں کے لئے یہ باعثِ فخر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول پاکؐ کی محنت کو قبول فرمایا اور ان پر اپنی تمام نعمتیں مکمل کیں۔ جن میں سے سب سے بڑی نعمت دینِ اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دینا ہے اور قیامت تک تمام بنی نوعِ انسان ہر وقت ہر نماز میں خدا سے یہی دعا مانگتے ہیں۔ خدا خود طریقہ بتا رہا ہے اس سے اسی کی نعمتیں مانگنے کا ارشاد ہوتا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۚ (الحمد۔ ۵ تا ۷)

(تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔ اُن کی راہ جن پر تیری نعمتیں نازل ہوئیں نہ کہ اُن کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا یا وہ گمراہ ہو گئے)

ہم بہت ہی خوش قسمت لوگ ہیں کہ خدا نے ہمیں خود ہی بتا دیا کہ دیکھو جس نبیؐ کی اطاعت کے لئے میں نے تمہیں حکم دیا ہے میں نے اس پر اپنی جتنی نعمتیں تھیں عطا کر دیں اور مکمل کر دی ہیں چنانچہ اس نبیؐ کی اطاعت ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور ہمیں اس پر چلنا چاہیے۔ خدا ہمیں حضرت رسول پاکؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اطاعتِ اولی الامر

چونکہ خدا حاکم برحق ہے۔ ازل سے قیامت تک اسی کی حکومت ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰؐ تک اس نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام مبعوث فرمائے چونکہ حضرت رسول پاکؐ خدا کے آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے مگر خدا کی حکومت تو قیامت تک چلنی ہے اور حکم بھی اسی کا ہی چلنا ہے تو پھر ایسے نظام کی ضرورت ہے جو نبوت کے بعد بھی رہے اور وہ اللہ ہی کی طرف سے ہو۔ ویسے تو ہمارا یقین کامل ہے کہ کائنات کی ہر شے پروردگارِ عالم کے حکم کی پابند ہے اور اس کے حکم کے بغیر کسی مجال نہیں کہ اس کے بنائے ہوئے راستے سے ہٹ جائے اور اس نے خود ہی انسان کو عقل دی۔ دانائی دی۔ شعور دیا اپنے نبیؐ کے ذریعہ تعلیم کتاب و حکمت عطا فرمائی۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا اور کائنات کی ہر شے کو اس نائب کا فرمانبردار بنایا تو اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے اس نے انسانوں کو ایک نظام دیا خواہ آپ اسے نظامِ امامت کہیں۔ خواہ نظامِ خلافت کہیں یا خواہ

نظامِ حکومت کہیں۔

خدا کا فرمان ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

(یوسف۔ ۴۰)

(حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہیں۔ یہی صحیح دین ہے)

مندرجہ بالا آیت سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ خدا کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم نہیں چل سکتا۔ چنانچہ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حکومت صرف خدا ہی کی ہے اور نبی خدا کی طرف سے ایک نمائندہ ہے پیغامبر ہے اب چونکہ نبیؐ کے بعد نبوت ختم ہو جاتی ہے مگر حکومت نے باقی رہنا ہے اس لیئے اولی الامر کی اطاعت ضروری کر دی۔ مگر حکم خدا ہی کا چلنا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (عمران۔ ۱۵۴)

(وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں)

واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت کے تمام اختیارات خدا ہی کے

پاس ہیں اور حکومت بھی اسی کی ہے کسی اور کی نہیں اور رسول بھی خود ہی فرماتے ہیں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ۔

(انعام - ۵)

(میں تو صرف اس کے حکم کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے)

یعنی

وآمر بالمعروف ونہی عن المنکر

(نیکی کا حکم کرتے اور بدی سے منع کرتے ہیں)

چنانچہ واضح ہوا کہ اصلاح معاشرہ کے لئے خدا کے نمائندے کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے منع کرے۔ ہماری روزمرہ زندگی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہم پانچ وقت کی نمازیں امام نماز کے حکم کے پابند ہیں۔ اس کے حکم کے مطابق اللہ اکبر کہتے ہیں امام کے حکم کے مطابق ہی سجدہ کرتے ہیں مگر نظام حکومت چلانے کے لئے بھی ایک حاکم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی لئے خدا نے ارشاد فرمایا۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

(النساء - ۵۹)

(خدا کی اطاعت کرو اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس

حاکم کی جو تم ہیں سے ہو)

ابھی ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے حاکم وقت کی اطاعت کس لئے فرض کی ہے۔ مقصد خدا یہ ہے کہ خدا کے ماننے والے رسولؐ آخر کے بعد جو بھی حاکم ہو۔ یہاں حاکم سے مراد سربراہ مملکت ہے جو لوگوں کو خدا اور رسول کی فرمانبرداری کے لئے بلائے۔ نماز و زکوٰۃ کا نظام رائج کرے۔ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ خدا کی بندگی کرنے کو کہے اور کفر و شرک والحاد سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔ اطاعتِ اولی الامر دراصل اطاعتِ رسول ہے۔ اطاعتِ خدا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ برصغیر کے جتنے بھی حاکم گزرے خواہ ان کا شمار سلاطینِ دہلی سے ہوتا تھا یا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ کہلواتے تھے۔ وہ خلیفۂ وقت کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے اور خلیفۂ وقت جس کو سندِ خلافت عطا فرماتے تھے وہ ملک کا حاکم تصور کیا جاتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب حاکم بنے تو انہوں نے فرمایا۔ کہ دیکھو اگر میں خدا اور رسول کے حکم کے مطابق تم کو چلاؤں تو میری پیروی کرنا اور اگر میں راستہ بدلنے کی کوشش کروں تو تمہیں حق پہنچتا ہے کہ تم میرا گریبان پکڑ کر مجھے سیدھے راستے پر ڈال دو۔

چنانچہ خدا خود فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط

(النور - ۵۵)

(تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو روئے زمین پر نائب مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنایا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اس پر انہیں ضرور ضرور قدرت دے گا۔ اور ان کے خائف ہونے کے بعد امن سے ضرور بدل دے گا)

مندرجہ بالا آیات سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ دنیاوی حکومت صرف ان لوگوں کو ملے گی جو نیک ہوں گے عمل صالح کریں گے۔ اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ ان سے پہلے جن نیک لوگوں کو حکومت دی گئی وہ اچھے اچھے عمل کرتے تھے۔ اگر چند ایک غلط ذرائع سے حاکم بن بھی جائے تو اس کا انجام وہ نہیں ہوتا جو نیکو کاروں کا ہوتا ہے۔

اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" میں داخل ہے مسیحیت کا خلیفہ

ارضی خلیفہ نہیں ہے بلکہ آسمانی و دینی خلیفہ ہے۔ جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضے میں رکھتا ہے۔ لیکن اسلامی خلافت کی اصل بنا خلافت ارضی یعنی حکومت وسلطنت ہے۔ وہ صرف شریعت اور امت کی حفاظت کرنیوالا اور احکام شریعت نافذ کرنیوالا ہے یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے نہ کہ مقننہ۔

اس کی ذات کو اصل شریعت اور اس کے احکام میں کوئی دخل نہیں۔

قرآن پاک گواہ ہے کہ جس نے خدا کی کے نائب کی مخالفت کی خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور اطاعت اولی الامر نہ کی وہ رد کر دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کی خلقت کا واقعہ موجود ہے۔ خدا نے اپنا نائب زمین پر بنایا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ

اللہ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ فرشتوں نے حکم خدا سے اس کی اطاعت کی اور جس نے نافرمانی کی اسے قیامت تک کے لیے رد کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور انہیں یکجان بنانے کیلئے اطاعت اولی الامر کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اتحاد سے مقصود یہ ہے کہ اپنے اعمال حیات میں منتشر نہ ہوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں اور ان کے تمام اعمال مل جل کر انجام پائیں۔ کسی گوشۂ عمل میں بھی پھوٹ اور بیگانگی نہ ہو۔

مختصراً گذارش یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو حاکم وقت کی اطاعت کرنی چاہیے۔

حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا۔ دیکھو میرے بعد گمراہی کی طرف پلٹ کر ایک

دوسرے کی گردنیں مارنے نہ لگنا عنقریب تم اپنے رب سے ملنے والے ہو سنو اگر نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور تم کو کتاب اللہ کے کے مطابق چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔"

(E) **قیامت :** قیامت کا دن یوم حساب ہے۔ جس دن انسانوں کے سامنے ان کے اعمال نامے رکھے جائیں گے۔ نیک و بد کو ان کے اعمال کے بدلے جزا و سزا ملے گی۔ نیک لوگوں کو اعمالِ صالح کی بدولت جنت میں جگہ ملے گی اور برے لوگوں کو بدی کی وجہ سے سزا ملے گی۔ دوزخ ہے ان لوگوں کے لیے۔ یہ دن خالصتاً اللہ کا دن ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۞ (الحمد - ۳)

(روزِ جزا کا حاکم ہے۔)

قیامت کے دن صرف خدا ہی کا حکم چلے گا۔ اور کسی کی سفارش نہیں چلے گی۔ حضرت رسولِ پاکؐ اسی لیے ڈرانے والے بھی ہیں۔ تاکہ لوگوں پر واضح کریں اور توبہ کریں اللہ کے حضور معافی مانگیں۔ اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ بہر حال انسان خطا کا پتلا ہے۔ معافی مانگنے ہی میں اس کی بہتری ہے پس مسلمانوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ یومِ حساب قریب ہے اور زندگی کے بعد موت یقینی ہے۔ بے شمار انسان اس سے پہلے اس دنیا میں آئے۔ بڑے بڑے دعوے کیے انہوں نے دنیا میں مگر جب خدا نے ان کی طرف تباہی و بربادی بھیجی تو کسی کو ہوش بھی نہ تھی کہ کیا ہو گیا ہے۔ مگر انسان ظالم واقع

ہوا ہے اور ہمیلسنز گھاٹے میں ہے۔ کہ اس نے خدا کو رحیم ہی جانا ہے
اور اسے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ خدا کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ
لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
وَالنَّبِيّٖنَ ج۔ (بقرہ ۱۷۷)

(یہ تو کوئی نیکیوں میں سے نیکی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لو۔
بلکہ نیکی تو اس کے لیے ہے جو اللہ پر، روزِ قیامت پر، ملائکہ پر، کتاب خدا پر اور
نبیوں پر ایمان لایا۔)

مندرجہ بالا آیت سے قیامت کے دن کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،
کہ جہاں خدا پر، ملائکہ پر اور نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے وہاں پر قیامت
کے دن پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ یہ یوم حساب ہے قیامت روزِ جزا و
سزا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ روزِ جزا پر ایمان لانا نیکی ہے اور عمل صالح ہے۔

حضرت رسولِ پاک نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؑ سے
فرمایا "اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ! اپنے لیے نیک عمل کر لو میں اللہ کی گرفت سے
تمہیں ذرہ بھر نہیں بچا سکتا۔"

اسی طرح خاندان کے دیگر افراد سے مخاطب ہو کر آپؐ نے
فرمایا۔ "اے محمدؐ کی آل! ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے پاس نیک اعمال لے کر

آئیں اور تم حسب ونسب لیکر آ ڈریں اللہ کی گرفت سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔

عام انسانی مساوات کے بارے میں فرمایا۔

"حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں۔"

حضرت رسول پاکؐ نے بھرپور کوشش کی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح سے بٹھادیں کہ یہ دنیا عارضی قیام گاہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور زندگی ہے چنانچہ اس دنیا میں انسان کو چاہیئے کہ وہ اعمال صالح کرے تاکہ آخرت میں اس کیلئے بہتری ہو۔

ارشاد ہوتا ہے۔

أَرَضِيتُم بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ (التوبہ - ۳۸)

(کیا تم آخرت کی بہ نسبت دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہو تو دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے۔)

مندرجہ بالا آیت میں پروردگارِ عالم ان لوگوں کو تنبیہہ کررہا ہے۔ جنہوں نے آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کا عیش و آرام پسند کیا ہے۔ اور اخروی زندگی۔ دنیا کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہمیں توجہ

رنی چاہیئے کہ بعض لوگوں نے خدا سے سودا طے کرلیا ہے اور انہوں
نے اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں اپنی جانوں کے عوض اخروی زندگی کو
ترجیح دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ
بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (توبہ ـ ۱۱۱)

(اللہ نے خرید لی ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے
جنت ہے۔)

پس واضح ہوا کہ بعض شخصیات ایسی بھی ہیں جنہوں نے خدا سے
اس دنیا میں اپنا مال اور جان دے کر سودا کر لیا اور خدا نے ان کا
سب کچھ خرید لیا۔ کہ وہ دنیا میں اپنا مال و جان اللہ کے لیے خرچ کریں
تو اللہ تعالیٰ انکو قیامت کے دن جنت دیگا جس میں وہ ہمیشہ رہیں
گے۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ یَوْمَ
الْقِیٰمَۃِ ط اَلَا ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○

(تم کہدو کہ فی الحقیقت گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنا
اور اپنے لڑکوں بالوں کا قیامت کے دن گھاٹا کیا۔ آگاہ رہو کہ صریحی گھاٹا
یہی ہے۔)

خدا واضح کر رہا ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتے، اُس پر ایمان نہیں لاتے خدا کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتے۔ دراصل وہی گھاٹے میں ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو نقصان میں ڈالا۔ مگر جنہوں نے خدا کی طرف سے راہِ ہدایت پکڑی انہیں کے لیے کامیابی ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے، خواہ وہ کہیں بھی کرے۔ اسکا صحیح حساب رکھا جاتا ہے۔ اور تمام ریکارڈ قیامت کے دن اللہ کے روبرو پیش کیا جائیگا اور انسان کے اعضاء قیامت کے روز خدا کی عدالت میں گواہی دیں گے۔ اور انسان کے متعلق اس کے تمام اعمال سے پردہ اٹھائیں گے۔ خدا خود فرما رہا ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (النور ۲۴)

(جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کی کارستانیوں کی گواہی دیں گے۔)

بنی نوعِ انسان کیلئے یہ بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے کہ جب انسان کے اعمال کے متعلق اس کے تمام اعضاء قیامت کے دن اُس کے تمام راز فاش کریں گے تو پھر بھی اگر وہ نہ سمجھیں اور توبہ نہ کریں اپنے آپ کو راہِ راست پر نہ لائیں تو خدا کے نزدیک ان کو سزا دینا نہایت آسان ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ج

(الکہف۔ ۴۹)

(اور کتاب سامنے رکھی جائے گی تو تم گنہ گاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں ہے دیکھ دیکھ کر سہمے ہوئے ہیں۔ اور کہتے جاتے ہیں ہائے ہماری شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹے ہی گناہ کو قلمبند کیے چھوڑتی ہے نہ بڑے گناہ کو۔)

مقصد خدا واضح کرتا ہے کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو دنیاوی زندگی میں ان کے اعمال نامے دکھائے جائیں گے تو وہ حیران رہ جائیں گے کیونکہ اس میں تمام چھوٹے بڑے گناہ موجود ہوں گے۔ پس بنی نوعِ انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ قیامت کے دن پر ایمان لانے کے بعد اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگیاں بسر کریں۔

حضرت رسولِ پاک نے ہر طرح سے کوشش کی کہ بنی نوعِ انسان پر واضح کر دیا جائے کہ اس دنیا کا عیش و آرام تھوڑے ہی عرصہ کیلئے ہے۔ اور انہوں نے قیامت کے دن خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ جہاں اس دنیا میں انکے گذارے ہوئے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائیگا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ پہلے سے معلوم ہو گا۔ ہمیں اس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہونے کے لیے ابھی ...ہی سے توبہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو اصلاح کی طرف راغب کرنا چاہیے۔ نیک اعمال ہی کی بدولت بخشش ہو سکے گی۔

دینِ اسلام کے ستون یعنی اصولِ دین مثلاً توحید، عدل، نبوت اطاعتِ اولی الامر اور قیامت پر ہم کچھ نہ کچھ تحریر کر چکے ہیں۔ اس سے پہلے حضرت رسولِ پاک پر اللہ تعالیٰ نے جو چار شعبے فرض کیے ہیں اصلاحِ معاشرہ کیلئے مثلاً تلاوتِ آیاتِ قرآنی، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیۂ نفس۔ ان پر بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اب ارکانِ اسلام کا مختصراً جائزہ پیش خدمت ہے۔ یعنی عبادات جو مسلمانوں پر خدا کی طرف سے فرض کی گئیں انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لیے۔ عبادات میں مندرجہ ذیل چھ پر تحریر حاضر خدمت ہے شاید کہ کوئی سعید روح اس سے استفادہ حاصل کر سکے۔

۱: نماز ۲: روزہ ۳: زکوٰۃ ۴: خمس ۵: جہاد ۶: حج

اب ہم باری باری عبادات پر کچھ پیشِ خدمت کرتے ہیں۔

نماز

۱۔ ہر مسلمان پر نماز پنجگانہ فرض ہے اور حتی الامکان اُسے پڑھنی بھی چاہیئے ۔ در اصل چوبیس گھنٹوں میں پانچ دفعہ خدا کے آگے سجدہ ریز ہوکر اُسے اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے اور اس کے حکم کی تعمیل ہے ۔ بعض اوقات انسان نماز پڑھنے سے غفلت کر ہی جاتا ہے اور وہ آخرت کو بھول کر دنیا میں مگن ہو جاتا ہے مگر نماز کی خدا تعالیٰ کے ہاں بہت اہمیت ہے ۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن انسان سے سب سے پہلے نماز کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی ۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نماز کی پابندی کے متعلق حضرت رسولِ پاکؐ کو تلقین فرما رہا ہے ۔

ارشاد ہوتا ہے :

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ط وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط ۔(پ۲۱ ۔ ع۱)

(جو کتاب آپؐ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیئے۔ بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے)

پس واضح ہوا کہ نماز انسان کو پاک صاف رکھنے اور بُرے کاموں سے بچاتی ہے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے اور رات کو جاگ جاگ کر نماز میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے مگر پھر خدا جو نہایت رحمان و رحیم ہے اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے نے قرآن پاک میں حکم فرمایا کہ راتوں کو کم جاگا کیجئے۔

ارشاد ربّ العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

(المزمل۔ ۱ تا ۲)

(اے کملی والے۔ رات کو کھڑے ہو مگر پوری رات نہیں بلکہ تھوڑی رات) دراصل نماز خدا کا شکر ادا کرنے کا طریقہ ہے اور اس کی پابندی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

خدا فرماتا ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

وَ نَسْئَلُكَ رِزْقاً نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی۔

(پ ۱۶ - ع ۱۶)

(اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے - ہم آپ سے روزی نہیں چاہتے روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو پرہیز گاری ہی کا ہے)

و بے شک نماز پڑھنے کا حکم بار بار آیا ہے اور انفرادی طور پر ادا کرنے کا نہیں بلکہ گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے - کیونکہ نماز پرہیز گاری سکھاتی ہے - اور پرہیز گاری ہی میں انسان کی بھلائی ہے - نماز نیکی کیطرف بلانے کا ایک راستہ ہے -

و حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ مذہب کا نام ہی نام رہ جائے گا اور مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے - ارکانِ اسلام کی ادائیگی سے لوگ بے نیاز ہو جائیں گے - خداوند کریم کی عبادت برائے نام رہ جائے گی -

(بیہقی)

و حضور[۴] کا ارشاد ہے !

بتلاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ کے آگے ایک نہر ہے اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر میل کچیل باقی رہ جائے گی۔ پھر فرمایا :
کہ یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدولت تمام گناہوں کی گندگی دور کر دیتا ہے۔

(مشکوٰۃ)

و حضرت دانیال رض نبی اپنے زمانہ میں امت محمدیہ کی نماز کی تعریف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

(A) اُمت محمدیہ ایسی نمازیں پڑھے گی کہ اگر نوح علیہ السلام کی قوم ایسی نمازیں پڑھ لیتی تو ہرگز طوفان میں گرفتار نہ ہوتی۔

(B) اور اگر ھود علیہ السلام کی قوم یہ نمازیں پڑھ لیتی تو کبھی بھی طوفان میں گرفتار ہو کر ہلاک نہ ہوتی۔

(روح البیان)

(C) حضرت اویس کرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری رات نہیں سوتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ فرشتے سجدے کرتے کرتے تھکتے نہیں اور ہم اشرف المخلوقات ہو کر تھک جائیں اور آرام کی نیند سو جائیں۔

(D) حضرت امام حسن علیہ السلام اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اپنی نماز میں اس قدر

کھڑے ہوتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ حالانکہ آپؐ معصوم اور بالکل بے گناہ تھے اور رونے کی وجہ سے آپؐ کے مصلے پر آنکھوں سے اسطرح آنسو ٹپکتے تھے جیسے کہ ہلکی ہلکی بارش میں بوندیں پڑا کرتی ہیں۔

(E) نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دعاؤں کا حصّہ زیادہ ہوتا ہے۔ عربی میں نماز دعا کے معنی میں آتا ہے۔ نیز کسی چیز کو آگ پر گرم کر کے سیدھی کرنے کیلئے بھی صلوٰۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ اس سے اخلاقی اور روحانی کجی دور ہوتی ہے۔ اور مومن سیدھا انسان بن جاتا ہے۔

(روحِ نماز صفحہ مولانا مجاز اعظمی)

(F) حضرت رسولِ پاکؐ نے فرمایا:
بندے اور کفر کے درمیان سرحد ترکِ نماز ہے۔ نماز چھوڑتے ہی کفر کی حد آجاتی ہے۔

(G) ہر چیز کا کوئی نشان ہوتا ہے اور ایمان کا نشان نماز ہے خدائے بزرگ و برتر کے احکام اور احادیث رسولِ پاکؐ کی روشنی میں نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نماز اصلاحِ معاشرہ کا وہ ستون ہے جس کے سہارے معاشرہ کی عمارت قائم ہے پس تمام مسلمانوں کو خدا اور رسولؐ کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے نمازِ پنجگانہ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نماز ہی میں ہماری نجات ہے اور کامیابی و کامرانی ہے۔

حضرت رسولِؐ پاک نے فرمایا "تم لوگ نماز اس طرح ادا کرو گویا کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نہیں تو خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کے پاؤں میں تیر لگ گیا۔ لوگوں نے اسے نکالنے کی بہت کوشش کی مگر تیر نہ نکل سکا۔ صحابہ نے حضرت رسولِؐ پاک سے عرض کی یا رسولؐ اللہ بہت کوشش کی ہے مگر علیؑ کے پاؤں سے تیر نہیں نکل رہا۔ آپؐ نے فرمایا "جب علیؑ نماز پڑھنے میں مشغول ہو جائے تو تیر نکال لینا۔" چنانچہ جونہی حضرت علیؑ نے نماز پڑھنی شروع کی لوگ موقع پا کر آپؑ کے پاس آئے اور تیر کھینچ لیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ علیؑ کے جسم سے تیر ایسے نکلا جیسے موم کے بت سے نکلتا ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے مصلےؑ کو خون میں لت پت پایا تو لوگوں سے پوچھنے لگے کہ تیر کا کیا ہوا۔

یہ حضرت رسولِؐ پاک ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ صحابہ جب بھی خدا کی یاد میں مصروف ہوتے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے خدا فرماتا ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى ج

(نہ تو حق تعالیٰ کے پاس ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ہی ان کا خون بلکہ اس کے پاس تو تمہارا التقویٰ اور اخلاص ہی پہنچتا ہے۔"

حضرت امام زین العابدینؑ ایک روز مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک مسجد کے چھپر میں آگ لگ گئی۔ اور آناً فاناً بھڑک اٹھی۔ آپؑ برابر نماز میں مشغول رہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے۔ بہت شور مچایا۔

لیکن آپؐ کو خبر نہیں ہوئی۔ اور جب خود نماز سے فارغ ہوئے اور باہر تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے اتنی آوازیں دیں مگر آپؐ نے کوئی پرواہ بھی نہیں کی۔ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، کیوں تم کیا کہتے تھے؟ عرض کیا گیا حضور مسجد میں آگ لگ گئی ہے۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ آپؐ نماز کی نیت توڑ دیں اور آگ سے بچ جائیں۔

آپؐ نے فرمایا "تم مجھے دنیا کی آگ سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے مگر میں اس وقت دربار میں کھڑا ہوا خدا کی آگ سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر مجھے دنیا کی آگ سے بچنے کی کیا پرواہ ہوتی۔" (صہ۳۲ روحِ نماز۔ مولانا محمد اعظمی)

ترغیب و ترہیب میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی آنکھیں جب جاتی رہیں تو آپؓ نابینا ہو گئے۔ تو لوگوں نے عرض کیا، حضورؐ اپنی آنکھیں بنوا لیجئے۔ لیکن آپؓ کو کچھ روز نماز چھوڑنا پڑیگی کیونکہ ان ایام میں حرکت مضر پڑے گی، چند روز تک چت لیٹنا پڑیگا۔

آپؓ نے یہ سن کر فرمایا، یہ کام مجھ سے کبھی نہ ہو سکے گا کیونکہ میرے آقا حضور پاکؐ نے فرمایا جس نے نماز جان بوجھ کر چھوڑی اس سے قیامت کے دن خدا نہایت غصہ و غضب سے ملاقات کریگا۔ لوگو! مجھے اندھا رہنا منظور ہے لیکن خدا کے غضب اور غصہ کو کیسے برداشت کروں گا۔

بے شک حضرت رسولِ پاک نے خدا کی طرف سے نازل کردہ پیغام بنی نوعِ انسان تک اس طرح پہنچایا کہ آج اس چمن میں بہار اسی کی وجہ سے ہے۔ شجرۂ طیبہ پر سرسبز و شادابی اسی کی رہونِ منت ہے۔ خدا ہمیں بھی

توفیق عطا فرمائے اور ہم باقاعدگی سے خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور
ایسی نمازیں پڑھیں جیسی خدا و رسول چاہتے ہیں ۔ آمین ۔

روزہ

روزے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان کھانے پینے کے معاملہ میں بھی خدا کے حکم کی پابندی کرے۔ خدا کے حکم کے مطابق کھائے اور کھانے سے رک جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"جو شخص بلا کسی شرعی عذر کے ماہِ رمضان میں ایک دن کا بھی روزہ افطار کر دے تو اس کو چاہیئے کہ سوچ لے کہ غیر رمضان کا چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اسکا بدل نہیں ہو سکتا۔"

بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں اس حدیث کی بنا پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزہ کو بلاوجہ کھو دیا۔ اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی۔ چاہے عمر بھر کے روزے رکھتا رہے۔ مگر جمہور فقہا کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزہ کے بدلے ایک روزہ کی قضا ہے۔

ارشادِ رب العزت ہوتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (۲ البقرہ ع ۲۳)

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جو لوگوں کے واسطے ہدایت

کی روشن دلیلیں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ سو جو کوئی تم میں سے
اس مہینے کو پالے تو اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے
دنوں سے گنتی پوری کر لے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا
تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ اور اس پر کہ تم پر اس نے تمہیں ہدایت دی

حضرت ابی عبیدہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔
"روزہ آدمی کیلئے ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔"
مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں۔

۱:۔ نگاہ کی حفاظت :۔ کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے۔ حضورؐ نے فرمایا:
نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو شخص اس سے اللہ کے خوف
کی وجہ سے بچ رہے۔ حق تعالیٰ اس کو ایسا نورِ ایمانی نصیب فرماتے ہیں
کی حلاوت و لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔"

۲:۔ زبان کی حفاظت :۔ جھوٹ۔ چغل خوری لغو بکواس۔ غیبت
بدگوئی بدکلامی جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

حضورؐ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت
سے بھوک لگی کہ ناقابلِ برداشت بن گئی۔ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام
نے حضورؐ سے دریافت کیا تو حضورؐ نے پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں
کو اس میں قے کرنیکا حکم دیا۔ دونوں نے اس میں قے کی تو تازہ گوشت کے
ٹکڑے اور خون نکلا تو حضورؐ نے فرمایا:" ان دونوں نے۔ اللہ تعالیٰ
حلال روزی سے روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں

لوگوں کی غیبت کرتی تھیں۔

۳: **کان کی حفاظت:** ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے۔ اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

۴: **جسم کی حفاظت:** یعنی تمام انسانی جسم کے اعضاء کو حرام چیز سے بچانا۔

۵: **کم کھانا:** حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لیے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور ملکیہ کا بڑھانا ہے۔

۶: **خوفِ خدا:** روزہ دار کو خدا سے ڈرتے رہنا ہے کہ یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے اختتام پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا ایسی تو نہیں ہو گئی جس سے یہ منہ پر ماردی جائے۔ ارشادِ رب العزت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ ۔ ۱۸۳)

(اے ایمان والو! روزہ رکھنا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم بہت سے گناہوں سے بچو۔)

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی و احادیث کی رُو سے روزہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ روزہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ مومن تقویٰ اختیار

کریں۔ متقی بن جاویں خدا خوفی کریں۔ خدا سے ڈریں۔ پرہیزگار بن جائیں۔ خدا سب مسلمانوں کو حضرت رسولِ پاک کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

زکوٰۃ خدا کی طرف سے عائد کردہ ٹیکس ہے امیروں کی کمائی میں. تاکہ غریب مسلمان جن کی کمائی تھوڑی ہے اور ذمہ داریاں زیادہ ہیں ان کو ان کا حصہ ملتا رہے. حضرت علیؑ نے فرمایا۔
"امیروں کی کمائی میں غریبوں کا حصہ ہے۔ غریب اس وقت تنگدست ہوتے ہیں جب امیر ان کا حق روک لیتے ہیں"۔
مقصدِ خدا یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں امیر و غریب کے درمیان ایک ربط رہے۔ چنانچہ امیر کیلئے یہ فرض عائد کر دیا گیا کہ وہ اپنے غریب بھائی کے لیے اسکا حصہ نکالے۔ ارشادِ خداوندی ہے ۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (المائدہ)

(تمہارے دوست تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومن لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جھکتے ہیں ۔)
زکوٰۃ دینِ اسلام کا ایک اتنا اہم رکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں

بھی نماز کا ذکر کیا ہے اسی کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ خدا نے مسلمانوں پر دو طرح کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

۱: حقوق اللہ ۲: حقوق العباد

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے جبکہ زکوٰۃ حقوق العباد کی، کون نہیں جانتا کہ دنیا میں ۹۵ فیصد جرائم صرف اور صرف غربت و افلاس کی وجہ سے ہیں۔ جب امیر لوگ غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں تو ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ غریب کے ہاں چولہا جلانے کے لیے پیسے بھی نہیں ہوتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ سوشلزم کمیونزم سیکولرزم کا پرچار کرنیوالا کارل مارکس آج دنیا کے ہر حصے پر راج کر رہا ہے ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ جب قرآنِ پاک خدا کی کتاب ہے اور اس میں پیش کئے گئے قوانین کا مقابلہ دنیا کا کوئی ترقی یافتہ یا مہذب معاشرہ نہیں کر سکتا۔ انجیل خدا کی کتاب ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بتلائے ہوئے سنہری اصول تمام دنیا کے لیئے مشعلِ راہ ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی لائی ہوئی راہِ ہدایت کی کتاب دنیاوی قوانین پر حاوی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ نوجوان نسل اور جدید معاشرہ خدا کے بھیجے ہوئے قوانین کو چھوڑ کر کارل مارکس کے بنائے ہوئے قوانین کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ فرق صاف عیاں ہے کہ ہم نے خدا کے قوانین کو بھلا دیا ہے اور حقداروں کو انکا حق ادا نہیں کرتے چنانچہ جب کارل مارکس نے غریبوں کے حق میں آواز اٹھائی تو امیروں

کے ظلم کی چکی میں پسے ہوئے مزدور اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور آج وہی کارل مارکس دنیا کے ۱/۳ حصّہ پر حکومت کر رہا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"معاشرہ کسی طبقے میں تقسیم ہونے کیلئے نہیں بنا۔ یہ تو انسانی معاشرہ ہے۔ یہ معاشرہ انسان کی بہتری کے لیے بنا ہے اور انسان کی صف میں ہر وہ فرد آجاتا ہے جو فطری طریقہ سے اس دنیا میں متولد ہوا ہے۔ اور اسی طرح کا جسم جان اور ہیئت لیے ہوئے ہوتا ہے جس طرح ہر انسان کا ہونا چاہیئے۔ لیکن اس میں پیدا ہونیوالے کا کیا قصور ہے۔ چونکہ وہ ایک غریب کے ہاں پیدا ہو گیا۔ اس لیے ہمیشہ غریب رہیگا۔ اور اگر اس میں غربت کی خوفناک دیوار گرانے کی ہمت ہے۔ تو وہ زندگی کا ایک خاصہ حصّہ اس کوشش میں صرف کر دیگا کہ وہ غربت کی اس خوفناک دیوار کو گرائے اور اس کے پیچھے چھپے ہوئے اور پناہ لئے ہوئے امیروں اور زرداروں میں جا ملے۔ اس طرح وہ زندگی کی بیشتر صلاحیتوں کو ایک ایسی جنگ میں صرف کر دیتا ہے جو محض اس معاشرے نے خود ہی چھیڑی ہے۔ اور اس جنگ کے جواز میں صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ انسان کی صلاحیتیں اس کو غریب یا امیر بنا دیتی ہیں۔"

اور حضرت امام حسنؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے:

"اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ اور اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کراؤ اور بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ تعالیٰ

کے سامنے عاجزی سے استقلال کرو۔

۲۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا اور چچازاد بھائی تھا۔ علوم میں بہت ترقی کی تھی اور حضرت موسےٰ علیہ السلام پر حسد کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور لوگوں کو کہنے لگا کہ موسےٰ علیہ السلام اِس نام سے تمہارے مالوں کو کھانا چاہتے ہیں۔

اُس نے نماز کا حکم دیا تم نے برداشت کیا۔ اُس نے اور احکام جاری کئے جن کو تم نے برداشت کیا۔ اب وہ تمہیں زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے۔ اس کو بھی برداشت کرو۔

لوگوں نے کہا!

یہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔ تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ

اُس نے کہا!

میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ عورت کو اس پر راضی کیا جائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس کی تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ انعام کا وعدہ کرکے اس پر راضی کرلیا کہ وہ حضرت موسیٰ

پر الزام لگائے۔ اس کے راضی ہونے پر قارون موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام آپؑ کے پاس آئے ہیں وہ بنی اسرائیل کو جمع کر کے سنا دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پسند کیا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام بتانا شروع کر دیئے کہ مجھے یہ احکام دیئے گئے ہیں کہ اس کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ کرو۔ صلہ رحمی کرو اور دوسرے احکام گنوائے۔ جن میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے۔ اس پر لوگوں نے کہا اور اگر آپ خود زنا کریں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا!

اگر میں زنا کروں تو مجھے بھی سنگسار کرو۔

لوگوں نے کہا! آپؑ نے زنا کیا ہے!

آپؑ نے فرمایا!

کہ میں نے؟

لوگوں نے کہا جی ہاں!

اور یہ کہہ کر اس عورت کو بلا کر اس سے پوچھا!

کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتی ہے ؟

حضرت موسیٰ نے بھی اس کو قسم دے کر فرمایا :

کہ تو کیا کہتی ہے ؟

اس عورت نے کہا ! کہ

جب آپؑ قسم دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے
مجھ سے انعام دینے کا وعدہ کیا ہے کہ میں آپؑ پر الزام لگاؤں
آپؑ اس الزام سے بالکل بری ہیں ۔ یہ سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام
روتے ہوئے سجدہ میں گر گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی تم جو
سزا تجویز کرو اور جو چاہو زمین پر حکم فرماؤ ۔ حضرت موسیٰ علیہ
نے سجدہ سے سر اٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا۔ کہ ان کو نگل جا !
اُس نے ایڑیوں تک نگلا تھا کہ وہ عاجزی سے حضرت موسیٰ
کو پکارنے لگے ۔

حضرت موسیٰؑ نے پھر حکم فرمایا ۔ کہ ان کو دھنسا ۔ حتیٰ کہ
وہ لوگ گردن تک دھنس گئے ۔ وہ لوگ پھر بہت زور سے روئے
مگر حضرت موسیٰؑ نے زمین سے یہی فرمایا ۔ وہ سب کو نگل گئی

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اے موسیٰ !

وہ تمہیں پکارتے رہے اور تم سے عاجزی کرتے رہے
میری عزت کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دعا کرتے تو میں

ان کی دُعا قبول کر لیا۔

۳۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لئے مقام عبرت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جب خلیفہ بنے تو منکرینِ زکوٰۃ کا مسئلہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے حل کیا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اُس کی نماز بھی نہیں۔

۵۔ حضورؐ کے ہاں ماہِ رمضان میں بخشش اور جُود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسی کہ تیز ہوا۔

خدا ہمیں غریبوں کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضورؐ کا یہی فرمان ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ زکوٰۃ دینا فرض ہے اور کسی غریب پر کوئی احسان نہیں۔

۴ - خمس

خدائے بزرگ و برتر نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے قرابت داروں کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے خمس لازمی قرار دیا ہے تاکہ خاندانِ رسالت - یتیم - غریب اور مسکین غربت کی چکی میں پس نہ جائیں -

ارشاد ربّ العزّت ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

(الانفال - ۸)

(اور جان لو ! کہ جو شئے تم کو حاصل ہو تو کل کا پانچواں حصّہ اللہ کا اور اُس کے رسول کا ہے اور آپ کے قرابت داروں کا ہے اور یتیموں - غریبوں اور مسکینوں کا ہے)

دین اسلام کا نظام جہاں دوسروں کو رزقِ حلال کمانے کی کھلی چھٹی دیتا ہے وہاں اللہ کے رسول، آپؐ کے قرابتداروں یتیموں - غریبوں اور مسکینوں کے لئے بھی مالی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ حضرت رسولِ پاکؐ اور آپؐ کے قرابتداروں کے لئے زکواۃ و صدقات وغیرہ اللہ نے حرام قرار دیئے اور اُن کے لئے علیحدہ نظام یعنی خمس رائج کیا ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے تاکہ اللہ کا رسول اور آپ کے قرابت دار تنگدستی کی زندگی نہ گزاریں۔

ایک دفعہ کوئی صحابی حضرت رسولِ پاکؐ کے پاس کھجوریں لے کر آیا اور عرض کی!

یا رسول اللہؐ!

صدقہ ہیں!

حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں اُٹھا کر لوگوں میں تقسیم کرنے کو کہا - حضرت امام حسین علیہ السلام جو کہ بچے تھے اور آپؐ کی گود میں بیٹھے تھے - نے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی۔

آپؐ نے منہ سے فوراً کھجور نکال دی - اور آپؐ نے فرمایا!

صدقہ ہے۔ اور خدا نے صدقہ ہمارے لئے حرام قرار دیا ہے

و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ

کل ستر آدمی تھے۔ یہ اسلامی مہمان تھے نہ ان کے اہل و عیال تھے نہ ہی ان کے پاس مال و زر تھا نہ کسی کے ذمہ ان کا بار تھا جب حضورؐ کے پاس کوئی چیز صدقہ آتی تو ان کو مرحمت فرما دیتے خود اس میں سے نوش نہ فرماتے۔

و تفسیر قادری والے لکھتے ہیں کہ

خمس اللہ کے حکم سے مومن پر واجب ہے زکوٰۃ سادات کو نہیں دی جا سکتی اس لئے اہلبیت کے لئے اللہ نے خمس رکھ دیا ہے۔

پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمائی میں پانچواں حصہ اللہ کیلئے حضرت رسول پاکؐ۔ آپؐ کے قرابتداروں۔ غریبوں۔ یتیموں اور مسکینوں کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ تاکہ غریب یتیم اور مسکین دوسرے لوگوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔

ارشاد قدرت ہوتا ہے :

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ص وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (پ۹۔ ع۱۳)

(تجھ سے پوچھتے ہیں غنیمت کے بارے میں۔ تو کہہ دیجئے مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم میں چلو اللہ کے اور اُس کے رسُول کے۔ اگر ایمان رکھتے ہو)

دین اسلام کے معاشی نظام کا کوئی مقابلہ نہیں۔
جہاں غریب لوگوں کیلئے زکوٰۃ کا نظام رائج کیا گیا ہے وہیں پر حضرت رسول پاکؐ کے لئے خمس کا نظام بھی موجود ہے اور اس میں یتیموں۔ غریبوں اور مسکینوں کا بھی حصّہ ہے۔
مقصدِ خدا یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی بھی فرد بھوکا نہ رہ سکے۔ حضرت رسولِ پاکؐ نے فرمایا!
کہ اگر میرے پاس احد کے پہاڑ جتنا بھی سونا ہو تو اے ابُوذر! میں اسے تین دن میں لوگوں میں تقسیم کر دوں
اسلام ہر شخص کو خوشحال دیکھنا چاہتا اور ہر ایک کو دوسرے کے لئے اپنا مال و جان قربان کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

★
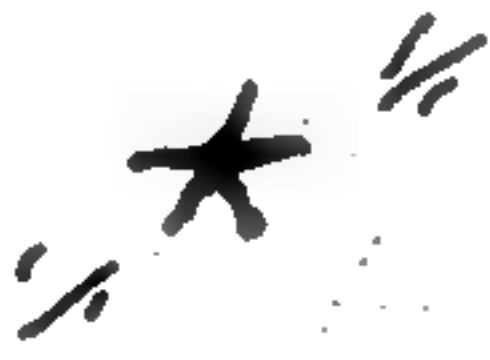
۵۔ جہاد

جہاد دین اسلام کا بہت اہم رکن ہے یعنی خدا کے لئے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مال و جان سے نکل کھڑے ہوں۔ اس فرض کا ادا کرنا بہت دشوار ہے اگر کوئی ثابت قدم رہے اور صبر کرے تو آب حیات کا اثر رکھتا ہے۔

ارشادِ ربّ العزت ہوتا ہے :

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

(جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاویں انہیں مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں مگر تم اُن کی زندگی کو نہیں سمجھتے۔)

مندرجہ بالا آیت سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں جان دے دے۔ وہ شہید ہے زندہ ہے۔ مردہ نہیں۔ مگر عام انسان اُن کی زندگی کو جان نہیں سکتا

کیونکہ عام انسان کے پاس وہ عقل و دانائی نہیں۔ یعنی فہم و فراست و ادراک نہیں کہ وہ ایک شہید کی زندگی کا تصوّر کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے چاہنے والوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ٥ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاہِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (پ۲۸ ع۱)

(اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایک سوداگری کہ بچا دے تم کو ایک دکھ کی مار سے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔)

خدا کیلئے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال و جان سے جہاد کرے یعنی اپنے مال و جان کو خدا کے تصرف میں لائے تاکہ اللہ کے دین کی سربلندی ہو اور اللہ کا ذکر بلند ہو، دین اسلام کی فتح و کامرانی ہو۔ یہ بہت ہی بڑھیا تجارت ہے، اور اس میں انسان کیلئے بے شمار فائدے ہیں، سابقہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور جنت بھی مل جاتی ہے، اس کے علاوہ شہید کا رتبہ بھی ملتا ہے، اور شہید زندہ ہوتا ہے۔ دراصل مال و جان سے جہاد کرنا خدا اور رسول پر ایمان کی دلیل ہے، اور جنہوں نے اس سے گریز کیا ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حضرت رسول پاک ؐ نے اپنی زندگی میں بے شمار جنگوں میں حصہ لیا جو سب کی

کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ○

(پھر اگر یہ باز آ جائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر سختی روا نہیں)

جہاد صرف اس صورت میں ہے کہ کسی ملک میں مسلمان مظلوم ہوں اور وہ مدد کیلئے استدعا کریں یا ایسے ملک میں ہوں جو اسلام یا اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے رکاوٹیں کھڑی کر دے یا کسی ملک میں ظلم و جور زیادہ ہو جائے۔ دراصل انفرادی جرائم کے سدِّباب کے ساتھ ساتھ رعایا کا تحفظ بھی ضروری ہے اور اسلام سے زیادہ تحفظ کون دے سکتا ہے۔ اسلام کا مقصد معاشرہ کو فتنہ و فساد سے پاک کرنا ہے۔ مگر خدا نے جہاد میں فتح حاصل کرنیکا حکم دیا ہے۔ جنگِ بدر کی مثال لیجئے۔ کفر اور اسلام کی جنگ حضرت رسولِ پاکؐ نے صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمانوں کے ہمراہ تقریباً کفار کے ایک ہزار پر فتح پائی۔

حضرت رسولِ پاکؐ رحمت للعالمین نے سب کو معاف کر دیا اور فرمایا۔

"آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ اسلام کا دامن تھام لو میں تمہاری بہتری چاہتا ہوں میں تم کو دوزخ کی آگ سے بچانا اور محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے تمہیں بھائی بھائی بنانا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری گردنوں سے باطل خداؤں کا جوڑا اتار دینا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم اطاعت و انقیادِ خداوندی کا طوق گلے میں ڈال کر اپنے پروردگار کے بندے بن جاؤ۔

سب کفّار کے خلاف تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ کفّار بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدا کے دین کو اپنا لیں۔ اور خدا ہی کو اپنا حقیقی حاکم تسلیم کریں۔ قرآنِ پاک میں تمام جنگوں کا ذکر خدا تعالیٰ نے خود کیا ہے تاکہ جن لوگوں نے جنگ کے دوران ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہو انہیں خراجِ تحسین پیش کیا جا سکے۔

مسلمانوں کو جہاد سے نہیں گھبرانا چاہیئے۔ بلکہ اس کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور اپنے اوپر زیادتی کا بدلہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ؕ

(جن مسلمانوں سے خواہ مخواہ جنگ کی جاتی رہی ہے۔ انہیں اب اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔)

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ؕ

(اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہ جائے۔ اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔)

دینِ اسلام کسی کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کرتا خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم پس جہاد مسلمانوں کیلئے ایک امتحان ہے۔ کافروں سے لڑنے کا اور ان پر کامیابی حاصل کرنے کا۔ مگر زیادتی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہونی چاہیئے بلکہ زیادتی اگر کافروں کی طرف سے ہو تو پھر مقابلہ کرنے کی اجازت ہے۔ دینِ اسلام کے حق ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ مسلمان حضرت رسولِ پاکؐ کے فرمان کے مطابق اپنا سب کچھ خدا اور اس کے رسول کیلئے قربان

اور برائیوں سے دامن کش ہو کر ایک ایسا معاشرہ ترتیب دو جس میں ظلم و ستم اور اونچ نیچ کا نام و نشان تک نہ ہو۔ جس میں نیکی کو فروغ ہو اور برائی کا قلع قمع ہو۔ جس میں زیردستوں کی عزتیں بھی اتنی ہی عزیز ہوں جتنی کہ زبردستوں کی جس میں بڑائی اور بزرگی کا معیار تقویٰ قرار پائے نہ کہ مال و دولت دُنیا۔" آج آپ کے خون کے پیاسے آپ کی نصیحتیں سن رہے تھے اور مارے شرم کے زمین میں گڑے جا رہے تھے، کہ یہ کیسا انسان ہے کہ بجائے سختی کے ہم سے شفقت سے پیش آ رہا ہے۔

خدا کی راہ میں لڑنے والی جنگ کو جہاد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دنیاوی جنگ میں ہوس ملک گیری اور طمع مال و دولت ہوتی ہے۔ جبکہ جہاد میں صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے۔ مخالفین کو صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ دیکھو! فتح حاصل کرنے کے بعد ہم تمہاری بے عزتی اور تباہی و بربادی کی بجائے بھلائی اور خیریت چاہتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے ہے کہ خدا ہمیں سختی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

انگلستان کے مشہور فلاسفر مسٹر برنارڈ شا سنہ ۱۹۳۲ء میں جب بمبئی آئے تو ایک اخباری بیان میں کہا "میں نے حضرت محمدؐ کی سیرت پر مطالعہ کیا ہے ۔ وہ بڑے بلند پایہ انسان تھے میری رائے میں انہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان جیسا انسان موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بن جاتا تو اس کے پیچیدہ مسائل ایسے طریق پر حل کر دیتا کہ انسانی دنیا امن و راحت کی دولت سے مالا مال ہو جاتی۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اے حبیبؐ! آپؐ فرمائیے! اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا ہے اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ اور اسکے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم"۔

حضرت رسولِ پاکؐ نے فرمایا۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو۔ مبادا ایسا وقت تم پر آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو۔ تم سوال کرو اور پورا نہ کیا جائے۔ تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کر سکوں"۔ (ابن ماجہ)

ایک اور دفعہ حضورؐ نے قسم کھا کر فرمایا۔

"تم لوگ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر مسلط کر دیگا پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہو گی"۔

بے شک حضرت رسولِ پاکؐ نے جہاد کے ذریعہ بھی تبلیغ دین کی اور اپنا فرضِ منصبی پورا کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگوں میں فاتح قوم شکست خوردہ قوم کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔ ان کی بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اُن کے بیماروں کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے۔ مگر اللہ کا یہ رسولؐ جہاد میں کامیابی کے بعد بھی یہ چاہتا ہے کہ بنی نوع انسان کلمہ پڑھ لیں تاکہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہ سکیں۔

حج

حج ایک ایسی عبادت ہے جس کے دوران ایک مسلمان جسمانی روحانی اور مالی تمام عبادات بجا آدا کرتا ہے ۔ دراصل حج تربیت گاہ ہے تمام عبادات سرانجام دینے کی ۔ اور اس میں مسلمان کوشش کرتا ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی ۔ اور خدائے بزرگ و برتر کو راضی کرنے کی ۔ فرمان خدا ہے ۔

وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط

(اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج بیت اللہ شریف کا ۔ جو طاقت رکھے اس تک پہنچنے کی ۔)

حج سنتِ ابراہیمی پر عمل کرنا ہے ۔ قیامت تک تمام مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق حج کرتے رہیں گے بیت اللہ شریف کا فرمانِ خدا ہے ۔

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ

(تم میرا ذکر کرو ۔ میں تمہارا کروں گا ۔)

پس جس مخلوق نے بھی خدا کی فرمانبرداری کی ۔ حکم خدا کی پابندی کی خدا کے ذکر کو بلند کیا ۔ اپنی تمام خواہشات خدا کے تابع کیں ۔ خدا نے بھی اسے بلند کیا جیسے حضرت ابراہیمؑ کو ۔ خدا نے حضرت ابراہیم کو آزمایا ۔ اور پھر قیامت تک ان کے عمل کو زندہ رکھنے کیلئے مسلمانوں پر حج فرض کر دیا ۔

حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ

کو خدا کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں بیٹے کو راضی پاکر خلیل خدا نے اس کے گلے پر چھری پھیرنا شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی فرمانبرداری قبول کی اور حضرت اسماعیل کی جگہ ایک دُنبہ ذبح ہو گیا پھر اس یاد کو تازہ رکھنے کیلئے آج ہر سال کروڑوں جانور اسی دن خدا کی راہ میں قربان کیے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّةِ ؕ قُلْ ھِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

(البقرہ۔ ۱۸۹)

(اے رسول! لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ لوگوں کیلئے وقت بتانے والا اور حج کا وقت معین کرنے والے ہیں)

حج کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ بالا آیات سے ہو جاتا ہے کہ وقت معین کرنیوالے اور وقت بتانے کیلئے حج کا چاند کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔

اور پھر دیکھنا یہ ہے کہ آخر حج کا مقصد کیا ہے۔ اتنے مسلمانوں کا ایک جگہ جمع ہونا خدا کی کوئی مصلحت ہی ہو گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُہٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ (توبہ۔ ۳)

(اور حج اکبر کے دن خدا اور اسکے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ خدا مشرکوں سے بیزار ہے اور اسکا رسولؐ بھی۔ پس اگر

تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ خدا کو تم ہرا نہیں سکو گے۔ اور کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو۔

پس واضح ہوا کہ حج اکبر کا مقصد لوگوں کو آگاہ کرنا ہے کہ خدا اور اسکا رسولؐ مشرکوں سے بیزار ہے۔ اگر وہ توبہ کرلیں۔ خدا اور اسکے رسولؐ پر ایمان لے آئیں کفر و الحاد کا راستہ چھوڑ کر صراطِ مستقیم اختیار کرلیں تو اس میں انکی بہتری ہے کیونکہ خدا تو زبردست ہے اور اس کو ہرانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور پھر کافروں اور مشرکوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ حج کے ذریعہ خدائے بزرگ و برتر کافروں کو تنبیہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں۔

مسلمان حج کی ادائیگی کیلئے خدا اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہوئے اور عبادت کی غرض سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر خدا کے گھر کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اپنا جان و مال خدا کے تصرف میں لاتے ہیں تاکہ کسی طریقے سے انکا خدا ان سے راضی ہوجائے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (القرآن)

(بے شک وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہان بھر کے لوگوں کے لیے رہنما ہے۔)

مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کا گھر جو مکہ میں ہے

دنیا کے تمام لوگوں کے لیے رہنما ہے۔ ہدایت کی جگہ ہے کیونکہ حج کے
دوران مسلمان خدا کو اپنا حاکم تسلیم کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں
حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (مائدہ ۹۷)

(خدا نے کعبہ کو جو اس کا محترم گھر ہے۔ لوگوں کے امن و امان قائم کرنے
کا سبب قرار دیا ہے۔)

خدا نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ خدا کا محترم گھر یعنی کعبہ لوگوں کیلئے
امن کی جگہ ہے اور دنیا میں امن قائم کرنیکا سبب ہے یعنی اگر مختلف
مسلمان گروہوں کے درمیان تنازعات ہو جائیں تو وہ اس محترم گھر میں
جمع ہو کر اپنی رنجشیں دور کریں اور ہر سال میں جمع ہونا فرض کر دیا ہر
صاحب استطاعت کیلئے۔ خانہ کعبہ میں حضرت آدمؑ سے لیکر آخری نبی
حضرت محمدؐ تک سب کیلئے یکساں محترم رہا اور تمام امتوں کیلئے بھی
ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنے فیصلے کروانے کیلئے امریکہ یعنی اقوام متحدہ میں تو
بھاگے جاتے ہیں مگر وہاں نہیں جاتے جہاں پر جانا خدا نے ہم پر فرض کیا ہے۔
خدا نے خانہ کعبہ پہلے ہی سیاسی و مذہبی حیثیت میں محترم رکھا ہے یعنی اگر
مسلمان ملکوں کے درمیان اختلاف ہو جائیں تو وہ یہاں جمع ہو کر اکٹھے
حج بھی کریں اور آپس میں تنازعات بھی دور کریں۔

دراصل اس دنیا میں جتنے بھی انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے وہ
حکومت الٰہیہ کا اعلان کرتے رہے۔ اور اپنی تمام زندگی اس پر قائم رہے۔

بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جدوجہد بھی کرتے رہے۔ یعنی اسلام میں دین اور سیاست ایک ہی ہے۔ الگ الگ نہیں بقول علامہ اقبالؒ

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

بے شک حج دین اسلام کا نہایت اہم رکن ہے۔ جو فرض ہے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر جو اپنے مال و جان سے خدا کی طرف سے فرض کی ہوئی اس عبادت میں شریک ہوتا ہے۔

متفرقات

ویسے تو ازل سے لیکر قیامت تک مختلف معاشروں میں برائیاں ختم نہیں ہو سکتیں اور سابقہ انبیائے کرام کی قومیں بدی ہی کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں مگر ہم اپنے ملک میں معاشرہ کی بدحالی، بدکرداری، بری عادتیں جن کی وجہ سے معاشرہ رو بہ زوال ہے اور چالیس سال ہو گئے ہیں ان میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے کمی نہیں ہوتی۔ اور یہ برائیاں اسلامی معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ ان کے تدارک کے بارے میں کچھ تحریر کرنا ضروری ہے۔

ویسے تو جتنے انبیاء بھی آئے۔ ان کا مقصد بعثت اصلاحِ معاشرہ ہی تھا اور خاص طور پر حضرت محمد مصطفےٰ نے تو اپنی جان ہلکان کر دی، تاکہ کسی طرح ان کے دور کے بنی نوعِ انسان ان کی بات مان لیں اور برے کاموں سے توبہ کر لیں۔ چنانچہ طائف سے واپسی پر زید بن حارث نے بددعا کرنے کیلئے کہا تو آپ نے فرمایا۔

▪ میں اس جہاں میں قہر و غضب بن کر نہیں بلکہ تمام جہان کیلئے رحمت بن کر آیا ہوں یہ لوگ بے صبر اور نادان ہیں۔ مجھے ابھی پہچانتے نہیں۔" اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کی عافیت اور سلامتی کی اس طرح دعا مانگی۔

"الٰہی تو ان پر اپنا فضل اور رحم فرما۔ ان پر کرم فرما اور ان کی خطاؤں کو معاف فرما۔ ان کو سیدھی راہ دکھا۔ ان کی برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دے۔ انکو

نیکی کی طرف راغب کردے۔ یہ تیرے کرم کے محتاج ہیں۔ ان کے دلوں کو
بدی سے پاک و صاف فرما کر نیکی کی طرف مائل کردے۔ الٰہی ان کو چشم بصیرت
عطا فرما۔ ان کو نورِ ہدایت بخش دے۔ ان کی جہالت ختم فرما دے۔ انہیں ظلمت
کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آ۔ انہیں علم و فہم عطا فرما۔ ان کے
سینوں کو ایمان کی دولت سے معمور فرما دے اور ان کے قلوب کو اپنے رسول
کی محبت سے لبریز فرما دے۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کا یہ رسول ان لوگوں کیلئے دعائے خیر مانگ رہا
ہے جو آپ کی جان کے دشمن ہیں۔ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور
آپ کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں روا رکھتے۔ مگر آپ اخلاق کے ایسے وار
کر رہے ہیں کہ۔ اور ان کے ظلم کے جواب میں ایسا اسوۂ حسنہ پیش کر رہے ہیں کہ
تاریخ عالم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ آپ کے طریقۂ تدریس اور
خیر و عافیت کی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اس کرۂ ارض پر تقریباً ایک
ارب کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ اور مجموعی طور پر دنیا کی امیر ترین قوم ہے۔
مگر کاش ان میں بھی وہی اخلاق و رواداری پیدا ہو جائے جو اس کائنات
کے معلم اعظم نے اپنی زندگی میں پیش کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

"اگر یورپ کو اپنی تاریخ پر فخر ہے کہ وہ انسان کی ہر فروگذاشت پر سختی
کے ساتھ گرفت کرتی ہے۔ اگر رومن لاء کو اپنے اوپر ناز ہے کہ وہ دنیا کے
قوائے متضادہ کو اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں دیتا۔ اگر یونان کو اپنے فلسفۂ اخلاق پر
گھمنڈ ہے کہ وہ اخلاقی قوٰی کی تربیت کرتا ہے۔ تو ہمیں ان کے بڑے بول سے

مرعوب نہیں ہونا چاہیے، رسم و رواج کے پابند نہیں کہ یورپ کے قانون معاشرت پر فریفتہ ہو جائیں ہم قانونی سختیاں برداشت کرنے کے خوگر نہیں کہ اپنے ہاتھ کو ہتھکڑی کے حوالے کردیں قیاسیات عقلی ہماری غذائے روحانی نہیں کہ یونانیوں کے طلسم میں پھنس جائیں، بلکہ ہمارے رگ اور پٹھے ایک پاک مذہب کے سلسلے سے جکڑے ہوئے ہیں، ہمارے گوشت اور خون پر چمڑے کی بجائے مذہب کا غلاف پڑا ہوا ہے، ہمارے قلب کو ایک غیر متزلزل مذہبی احساس حرکت دے رہا ہے۔"

("اسوۂ محمدؐ کا ایک ورق، ابوالکلام آزادؒ)

رزقِ حلال کی کمی

(موجودہ دور کی سب سے بڑی اور بری بدی یہ ہے کہ ہم نے رزقِ حلال کیلئے تگ و دو کرنی چھوڑ دی ہے بلکہ معاشرہ کا ہر فرد کسی نہ کسی طریقے سے اپنی جیبیں بھرنے کی فکر میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل بے راہروی کا شکار ہے۔ لاکھوں کا جہیز نہ ہو تو لڑکیوں کی شادی نہیں ہوسکتی۔ لاکھوں روپے خرچ نہ ہوں تو بیٹوں کی تعلیم مکمل نہیں ہوسکتی۔ لاکھوں روپے کی رشوت نہ دی جائے تو تعلیم یافتہ نوجوانوں کو نوکریاں نہیں مل سکتیں۔ نفسا نفسی کا ایسا دور آگیا ہے کہ نہ امیر کی تجوریاں محفوظ ہیں نہ شریف کی عزت اور نہ ہی کسی غریب کا بھرم بینکوں میں ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ دکانیں لوٹی جا رہی ہیں۔ دن دہاڑے قتل ہو رہے ہیں۔ سرعام لوگوں کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ رزقِ حرام اکٹھا کرنے کی فکر میں ہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لاوارث قوم ہیں۔ کیونکہ صاحبِ اقتدار اور اربابِ اختیار یہ کہہ کر خود ایئرکنڈیشنڈ محلوں میں سو جاتے ہیں کہ ساری دنیا میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ہم کیا کریں۔ اگر دنیا کا مقابلہ رزقِ حرام اکٹھا کرنے میں ہو تو باقی چیزوں میں بھی مقابلہ ہونا چاہیئے۔ یورپ میں جانور کی اتنی قدر ہے جتنی کہ آپ کے ملک میں ایک انسان کی نہیں۔

ایک مسلمان کی نہیں، نہ بہو اور بیٹی محفوظ اور نہ گھر کی عزت۔

ارشادِ خداوندی ہے :-

(وَاعْلَمُوا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

(اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔)

مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان مال جمع کر کے نہ رکھے اور نہ حرام ذرائع سے مال جمع کرنے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ باپ یا ماں جو بھی مال اکٹھا کرتے ہیں، سب اپنی اولاد کے لیے اکٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ خدا کے حکم کے مطابق اپنی زندگی بسر کرو کیونکہ تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے، اور خدا کے پاس بڑا ثواب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ۝ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝ۖ وَمَاۤ اَدْرٰٮكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ؕ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ (الھمزہ)

(ہر طعنہ دینے والے چغل خور کی خرابی ہے، جو مال کو جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا، ہرگز نہیں وہ تو ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا، اور تم کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے۔

وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک چڑھ جائے گی۔ یہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں ڈال کر بند کر دیئے جائیں گے) مندرجہ بالا سورۃ سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ حلال کمائی ہوئی دولت کو جمع کرتا ہے اور خدا کی راہ میں اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر خرچ نہیں کرتا بلکہ گن گن کر رکھتا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کو بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈال دے گا۔ اور لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دے گا۔ اب ہمیں خود ہی اندازہ لگا لینا چاہیے کہ رزق حرام کما کر جمع کرنا اور گن گن کر رکھنے والے کا انجام کیا ہوگا۔ رزقِ حلال اور خدا کے فضل کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المنفقون ۱۰)

(پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں جاؤ اور خدا کے فضل سے تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد کرتے رہو تاکہ تم دلی مرادیں پاؤ)

مندرجہ بالا آیت میں رزقِ حلال کے لیے خدا فرما رہا ہے

کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رزق کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ اور ساتھ ساتھ خدا کو بھی یاد کرتے رہو تاکہ جو تم چاہتے ہو وہ تمہاری مرادیں بھی پوری ہو جائیں۔ نماز برائی سے بچاتی ہے اسی لیے خدا کے فضل یعنی رزق کے لیے خدا نے نماز سے فارغ ہونے کی شرط لگا دی تاکہ مسلمان رزقِ حلال کی کوشش کرے۔ مزید بحث کرنے سے پہلے رزقِ حرام کے مختلف ذرائع کے بارے میں حضرت رسول پاکؐ کے کچھ ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں
(مسند امام ص ۵۰)

۲۔ جس نے کھانے پینے کی اشیاء ذخیرہ کیں۔ اللہ تعالیٰ اسے کوڑھ کی بیماری اور تنگدستی میں مبتلا فرما دے گا۔
(سنن ابن ماجہ)

۳۔ ذخیرہ اندوزی خطاکار ہی کرتا ہے (صحیح مسلم)

۴۔ رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت ہے۔
(جامع ترمذی)

۵۔ جس قوم میں رشوت عام ہو اللہ تعالیٰ اس پر رعب طاری کر دیتا ہے۔ (مسند احمد)

۶۔ جس نے بغیر ضرورت سوال کیا گویا وہ دھکتے ہوئے انگارے

کھا رہا ہے (سنن نسائی)

۷۔ سوال کرنا زخم ہے اور انسان سوال کرتے ہوئے اپنے چہرے پر زخم لگاتا ہے (سنن ابوداؤد)

۸۔ جس قوم میں سود رواج پا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو قحط میں مبتلا کر دیں گے۔ (مسند احمد)

۹۔ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست حکومت ہے (جامع ترمذی)

مندرجہ بالا احادیث رسولؐ کا مجموعی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام بیان کردہ طریقے غلط ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور ان ذریعوں سے کمائی ہوئی دولت رزقِ حرام ہے۔ حلال نہیں اور حرام ذریعوں سے کمائی ہوئی دولت کے بارے میں خدا پہلے ہی فرما چکا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے اس نے آگ بھڑکا رکھی ہے اور اس لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دیا جائے گا۔ جن میں آگ بھڑکائی ہوئی ہو گی۔ لمحۂ فکریہ یہ ہے۔ کہ خدا کا رسولؐ اور ہمارے نبی پاکؐ خود فاقہ کر سکتے ہیں۔ پیٹ پر پتھر باندھ سکتے ہیں تو پھر اہلِ پاکستان کو کیا مجبوری پڑی ہے کہ وہ رزق حرام اکٹھا کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فقیری اور تنگدستی یہ کام کرواتی ہے مگر ہمارے ملک میں اس وقت خدا کے فضل سے کوئی بھوکا نہیں

ہوتا۔ اگر طمع و لالچ ختم نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے۔ بے سہارا لڑکیوں کو بدکاری اور غلط راستے سے بچانے کے لیے ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی کفالت کرے اور ان کے نکاح کا بندوبست کرے۔ آپؐ کے فرمائے ہوئے الفاظ قابلِ عمل ہیں مگر ان پر عمل کرنے اور کرانے کے لیے لوگوں کی ضرورت ہے جن کو خدا نے صلاحیتیں دی ہوں۔ مگر جب حکومت اپنے گرد دولت کے پجاری اور حرص و ہوس کے دیوتا اکھٹے کرلے تو حکومت راہِ ہدایت پر کیسے چل سکتی ہے۔ حضرت رسول پاکؐ نے فسق و فجور میں بدمست معاشرے کو راہِ راست پر لانے کے لیے فرمایا۔

"اے اہلِ قریش میری زندگی کے روز و شب آپ کے سامنے ہیں۔ میری صبح و مسا سے بھی آپ بخوبی واقف ہیں۔ میرے لیل و نہار بھی آپ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ میری دیانت اور امانت سے متاثر ہو کر آپ مجھے صادق اور امین کے لقب سے پکارتے ہیں۔ آپ اپنی امانتیں مجھے سونپتے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ میری ہر بات پر آپ یقین کر لیتے ہیں۔ میری چالیس سالہ زندگی آپ کے سامنے ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند ہے جس کا کوئی ورق بھی بداخلاقی و بے راہروی سے داغدار نہیں۔ گردشِ لیل و نہار اس کی تابانی اور ضوفشانی کو گہنا نہیں

سکی۔ میں نے ہمیشہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہا ہے۔
لذائذ و خطائظ دنیاوی میری اس حق گوئی کو قطعاً متاثر نہیں
کر سکیں۔ میں چالیس سال سے متواتر آپ کی گلیوں اور بازاروں
میں چلتا پھرتا رہا ہوں۔ میرا آپ کے ساتھ لین دین بھی رہا ہے
میں آپ کے دکھ اور سکھ میں بھی شریک رہا ہوں۔ میرا آپ
کے ساتھ لین دین بھی رہا ہے اور میرے آپ کے درمیان
معاملات بھی رہے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں آپ نے مجھے اپنی
بات کا پکا اور وعدے کا سچا پایا ہے۔ میں نے کبھی کسی کے ساتھ
زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا۔ میں نے کبھی کسی کے حق تلفی نہیں
کی۔ میں نے کسی سے اس کی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا۔ میں نے
کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔ میں نے گالیاں دینے والے کو
بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔ آپ اس سے بخوبی واقف ہیں میں اس
میں مبالغہ آمیزی نہیں کر رہا۔ یہ سب آپ کے سامنے کی باتیں
ہیں۔ آپ اس بھری محفل میں میرا گریبان پکڑ کر کہہ سکتے ہیں کہ
میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ کذاب و افترا سے کام لے رہا ہوں"
لیکن کہیں سے بھی کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ اس صداقت
عامہ کو کون جھٹلا سکتا تھا اس واشگاف حقیقت کی کون تردید
کر سکتا تھا۔ سب خاموش تھے آپؐ نے بلند آواز میں فرمایا۔
"اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور

فوج چلی آرہی ہے تو کیا تم مجھ پر اعتماد کرو گے ؟

ہاں کیوں نہیں ؟ - ہم نے ہمیشہ تم کو سچ بولتے پایا ہے

مجمع نے بالاتفاق جواب دیا۔

" تو پھر میں کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لے آؤ اے بنو عبدالمطلب ! اے بنو عبد مناف ! اے بنو زہرا ! اے بنو تمیم ! اے بنو مخزوم ! اے بنو اسد ! ورنہ تم پر سخت عذاب ہو گا۔

خدا کے حکم کے مطابق اللہ کے رسول نے مجمع میں موجود تمام لوگوں کو دعوتِ الٰہی کا پیغام دیا جو رزقِ حلال کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں طلب پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر ہم آج بھی کلمہ تو اسی رسول کا پڑھتے ہیں مگر رزقِ حرام سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔

غیر بھی حضرت رسول پاک کی تعلیمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ جنہوں نے عرب معاشرے کے اجڈ۔ جاہل۔ گنوار بدوؤں کو رہبر عالم بنا دیا اور آج کی دنیا انہی سے تہذیب و اخلاق کے سبق سیکھ رہی ہے۔ مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب (The HUNDRED) میں آپ کو نمبر ایک دیا ہے جس میں ان شخصیات کا ذکر ہے جنہوں نے معاشرہ پر اپنی تعلیمات کا رنگ چھوڑا ہے۔

انقلاب روس کے بعد جب امیر شکیب ارسلان لینن سے

ملے اور اسلام کے اصولوں کو پیش کیا تو اس نے معذرت کی اور کہا۔ چونکہ یورپ میں سرمایہ داری اور امپریلزم انتہائی نقطہ تک پہنچ چکے ہیں اس لیے ہم مجبور ہیں کہ یہاں روس میں انتہائی مخالفانہ صورت اختیار کریں۔ ورنہ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا میں جب کبھی اعتدال پیدا ہوا تو اس کی صورت سوائے اسلام کے اور کوئی نہ ہو گی۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؏ (المائدہ ۱۰۰)

دکھہ دیجیے کہ ناپاک برابر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ناپاک کی کثرت تمہیں بھلی کیوں نہ معلوم ہو۔ تو اے عقلمندو خدا سے ڈرتے رہو تاکہ کامیاب رہو)

مندرجہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ رزقِ حلال اور رزقِ حرام برابر نہیں اور کامیاب وہی ہیں اللہ کے نزدیک جو رزقِ حلال کو ترجیح دیتے ہیں اور تھوڑے پر قناعت کرتے ہیں۔ چنانچہ

۱۔ نیکیوں سے رزق بڑھتا ہے

۲۔ گناہوں سے رزق کم ہوتا ہے

۳۔ نیکیوں سے عمر بڑھتی ہے

۴۔ گناہوں سے عمر کم ہوتی ہے

۵۔ سود سے مال گھٹتا ہے

۶۔ خیرات سے مال بڑھتا ہے۔

۷۔ گناہوں سے انسان مصائب و آلام کا شکار ہوتا ہے۔

۸۔ تکبر۔ بے انصافی۔ رشوت، بددیانتی ظلم ہے اور ظالم کا زوال ضروری ہے غرض حرام ذرائع سے رزق بڑھتا نہیں برباد ہوتا ہے۔

۹۔ عبادت، اطاعت، دیانت اور سخاوت میں سلامتی ہے۔

۱۰۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

(اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے۔ ان میں پاک چیزوں کو کھاؤ)

۱۱۔ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ

(اور جو حلال روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر ایمان رکھتے ہو)

۱۲۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا۔

(i) رزق حلال طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے
(احیاء العلوم)

(ii) حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔
حلال کی کمائی کی تلاش بھی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔ (بیہقی)

(iii) رافع ابن حدیج فرماتے ہیں کہ حضورؐ سے پوچھا گیا "اے اللہ کے رسولؐ! سب سے زیادہ اچھی کمائی کون سی ہے"
آپؐ نے فرمایا "آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔"
(مشکوٰۃ)

(iv) حضورؐ نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے۔ پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا اس نے رسولوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا "اے پیغمبرو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو"

اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے کہا! اے اہل ایمان جو پاک اور حلال چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں وہ کھاؤ"

(v) حضورؐ نے فرمایا "جو شخص حلال روزی کی تلاش کرتے کرتے تھک کر رات کو اپنے گھر جاتا ہے ایسا شخص جب سوتا

ہے تو اس کے سب گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ اس حالت میں بیدار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے

(۷۱) حضرت ابراہیم بن ادھم رح کے متعلق کتابوں میں تحریر ہے کہ دن بھر مزدوری کرنے کے بعد جب شام کو اجرت وصول کرتے تو اجرت کا کچھ حصّہ مالک کو واپس کر دیتے اور فرماتے کہ شاید میں نے آپ کی توقع کے مطابق کام سرانجام نہ دیا ہو۔ یہ سب حضرت رسول پاک ص کی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں فرمایا۔

"ہم جاہلیت والے لوگ تھے۔ ہر طرح کی کھلی برائیوں میں مبتلا تھے۔ قطع رحم کرتے تھے۔ پڑوسیوں کو نظر انداز کرتے تھے ہم میں جو طاقتور ہوتا ہے کمزور کو کھا جاتا۔ ہم ایسی ہی زندگی گزار رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث کیا۔ جس کے نسب سے ہم واقف ہیں جس کے صدق وامانت اور جس کی پاکیزگی سے ہم باخبر ہیں۔

اللہ کے رسول نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ واحد کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ ہمیں سچ بولنے کا حکم دیا۔ ادائے امانت صلہ رحم اور پڑوسیوں کے ساتھ حُسن سلوک کی تعلیم دی۔ عورتوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ممانعت کی اور خون ریزی نہ کرنے کی تاکید کی۔ ہمیں جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھاتے اور پاک

دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔"

بے شک حضرت رسول پاکؐ کی تربیت و اصلاح کے فیض سے پورا معاشرہ اتحاد اور باہمی الفت و محبت کے اعتبار سے جسد واحد بن گیا۔ ہر فرد کا دل ایک دوسرے کی تکلیف و مصیبت میں اس طرح بے قرار ہوتا تھا جیسے وہ خود اس میں مبتلا ہو۔ ایسی محبت اور ایسی الفت کی مثالیں تاریخ میں نہیں ملتی۔ جو اس معاشرے کے افراد نے پیش کیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

"مسلمان ایک دیوار کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مستحکم کرتا ہے"

حضورؐ نے فرمایا۔

کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی۔ جس کے پاس مال و متاع نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ میری امت کا مفلس آدمی وہ ہے جس کے نامۂ اعمال قیامت کے دن نماز روزے اور زکوٰۃ تو ہوں لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہو۔ کسی پر بہتان تراشا ہو۔ کسی کا مال غصب کر کے کھایا ہو کسی کو اس نے قتل کیا ہو۔ کسی کو مارا ہو۔"

شرعی حدود کا نفاذ

دین اسلام جہاں نصیحتوں کا دین ہے وہیں سلطنت اور اسلامی ریاست میں امن قائم رکھنے اور رعایا کا تحفظ کرنے کے لیے مختلف سخت سزائیں بھی تجویز کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء کرامؑ اس دنیا میں معبوث فرمائے ان سب کا مقصد نیک لوگوں کو انعامات و اکرام کی خوشخبری سنانا اور برے لوگوں کو ان کے بد اعمال کی وجہ سے ڈرنا اور عذاب الٰہی کی ترغیب دینا تھا۔ اسی طرح حضرت رسول پاکؐ کو خدا تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے بھی جہاں معاشرہ کی اصلاح کے لیے پند و نصائح کیے۔ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ اپنے بہترین اسوہ حسنہ سے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لانے کی کوشش کی۔ وہیں مسلمانوں کو خدا کی طرف سے عائد کردہ سخت سزاؤں کا بھی مژدہ سنایا اور پھر

اس سخت سزا کی زد میں جو بھی آگیا آپؐ نے اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کی۔

آپؐ کا فرمان ہے کہ ہم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ و برباد ہو گئیں۔ کہ جب اُن کا کوئی ممتاز فرد جرم کرتا تو درگذر کیا جاتا اور اگر وہی سنگین جرم کوئی غریب کرتا تو اسے سزا ملتی۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی یہ جرم کرتی تو اسے بھی یہی ہاتھ کاٹنے کی سزا ملتی۔ خدا کی طرف سے عائد کردہ سزاؤں کا ہم مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) جان کی حفاظت کے لیے قتل کی سزا قتل یا قصاص ہے جان کے علاوہ جوارح کا بھی قصاص ہے۔

اگر مقتول کے وارث اتنی مہربانی کر دیں کہ قصاص کے بجائے دیت لینا منظور کر لیں تو یہ دیت سو اونٹ یا ان کی موجودہ قیمت ہے۔ اعضاء و جوارح کی دیت بھی رسول اللہؐ نے بتلا دی ہے۔

موجودہ دور میں دیت کا تصور تو موجود ہے۔ مگر اسے قابلِ عمل بنانے کے لیے حکومت کو موثر طریقہ اپنانا پڑے گا۔ دراصل اتنی سخت سزا یعنی قتل کا بدلہ قتل صرف اسی وجہ سے ہے کہ لوگ قتل جیسی قبیح حرکت کرنے سے گریز کریں اور خدا خوفی یا حکومت کے خوف کی وجہ سے ایسی حرکت نہ کریں۔ دیکھا یہ

گیا ہے کہ لوگ قتل بھی کر دیتے ہیں اور پھر ڈرا دھمکا کر مقتول کے ورثاء سے صلح نامہ بھی لکھوا لیتے ہیں۔ اور مقتول کے ورثاء چونکہ پہلے ہی پریشان ہوتے ہیں اس لیے مزید پریشانی سے بچنے کے لیے اور دھمکیوں سے مجبور ہو کر صلح کر لیتے ہیں۔ اور خدا کا قانون محض ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں معاشرہ کی ہی بھلائی ہے۔ حکم خدا ہے۔

اِن الحکم الا للّٰہ (یوسف ۴۰)

(حکم خدا کے سوا کسی کو نہیں)

پھر معاشرہ خدا کے حکم میں اپنی مرضی سے تبدیلی کیسے کر سکتا ہے اسلامی ریاست کا کام من وعن خدا کے حکم پر عمل کرنا ہے اپنی طرف سے ترمیم کرنے یا اسے جدید بنانے کا کسی قانون ساز ادارے کو کوئی اختیار نہیں۔ خدا کا حکم اٹل ہے۔ اور حضرت رسول پاکؐ نے کبھی بھی خدا کے حکم میں اپنی طرف سے ترمیم نہیں کی۔

مشہور مغربی متفکر کار لائل کے خیال میں جمہوریت اس لیے قابل ملامت ہے کہ یہ شرفاء کے مقابلے میں بدمعاشوں اور عیار لوگوں کو ترجیح دیتی ہے۔ انتخابات میں زیادہ تر وہی امیدوار کامیاب ہوتے ہیں جو سرمایہ دار ہوتے ہیں اور غریب

خواہ کتنے ہی ذہین کیوں نہ ہوں انہیں مقننّہ کا رکن بننے کا
موقع نہیں ملتا۔ اس طرح بہترین دماغ رکھنے والے کنارہ کش
ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ اچھے نیک اور ذہین لوگ جمہوریت
کی ہماہمی، غلط پروپیگنڈہ۔ انتخابی مہم، شوروغل، نعرہ بازی۔
سستی شہرت سے گھبرا کر الگ رہنا چاہتے ہیں۔
(مینظری سیاسیات)

"حضرت رسول پاکؐ نے فرمایا۔
"تمہارے بہترین حاکم اور امراء وہ ہیں جن سے تم محبت
رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں۔ تم ان کے لیے دعائیں
مانگتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعائیں مانگتے ہیں اور تمہارے
بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم نفرت کرتے ہو اور وہ تم سے
عداوت رکھتے ہیں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر
لعنت بھیجتے ہیں۔
صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا ایسے حاکموں کی
اطاعت کرنے سے ہم اپنے آپ کو آزاد کرالیں۔ حضورؐ نے
فرمایا۔ نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھتے ہیں۔
۲۔ مال کی حفاظت کے لیے چوری کی سزا قطع ید ہے۔ اور
جب ایک دفعہ سزا دے دی گئی۔ پھر معافی کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔

اسی طرح ڈاکہ اور راہزنی میں چونکہ جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصان کا خطرہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جرم کی نوعیت کے پیشِ نظر چار مختلف سزائیں مقرر کر دی ہیں اب قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ کون سی سزا یا کون کون سی سزائیں دے۔

(۱) مخالف سمت کے ہاتھ پاؤں کاٹنا۔

(۲) سولی پہ لٹکانا۔

(۳) ایذائیں دیکر قتل کرنا۔

(۴) جلا وطنی۔

حضرت صفوان بن امیہ نے ایک شخص کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا جس نے ان کے کپڑے چرائے تھے۔ عدالتی کاروائی کے نتیجے میں اس کا جرم ثابت ہو گیا تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ حضرت صفوان اسے معاف کرنا چاہتے تھے لیکن عدل کا تقاضہ یہ تھا کہ جرم ثابت ہو جائے تو سزا کا نفاذ کر دیا جائے۔ (سنن ابی داؤد)

● غزوہ بدر کے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی شامل ہیں۔ انصار نے اس خیال سے کہ یہ آپؐ کے قریبی عزیز ہیں عرض کی یا رسول اللہؐ! اگر اجازت دیں تو ان کا زرِ فدیہ معاف کر

دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ایک درہم بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح بخاری)

(۳) والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم ثمنین جلدۃ۔

(النور۔ ۴)

(اور جو پاک باز عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں۔)

(۴)۔ اور شوہروں کو تنبیہ کی کہ وہ اپنی بیویوں پر بلا وجہ شک و شبہ نہ کریں ورنہ ان پر حد قذف جاری ہو جائے گی۔ اس کا عملی ثبوت ہمیں سیرت طیبہؐ سے ملتا ہے کہ جب ______

ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائی اور اسے ثابت نہ کر سکے۔ تو انہیں اسی کوڑوں کی سزا دی گئی۔

(۵) حضورؐ نے ایسی خاتون کو رجم کی سزا نہیں دی۔ جس سے زبردستی بدکاری کی گئی تھی۔

(سنن ابو داؤد)

(۶) بلا ارادہ اور خطا کی صورت میں سزا کو نافذ نہ کرنا اسلامی نظام عدل کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو عین فطرت ہے۔ حضرت رسول پاکؐ نے جہاں ایسے شخص پر دیت عائد نہیں فرمائی۔ جس نے بلا ارادہ اور غلطی سے دوسرے کا دانت توڑ دیا تھا وہاں آپؐ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ ______ بچے سوئے

ہوتے آدمی اور پاگل پر دیت نہیں۔ اس لیے کردہ اپنے فعل
میں ارادے کے تابع نہیں ہوتے (سنن ابو داؤد)
(۷) عزت کی حفاظت کے لیے زنا کی سزا کنوارے یا کنواری
کے لیے سو کوڑے ہے اور شادی شدہ کے لیے رجم۔ تہمت
تراشی کی سزا اسی کوڑے ہے۔
(۸) شراب نوشی کی سزا عام حالات میں چالیس کوڑے
ہے لیکن شرابی اگر نشہ کی حالت میں کسی کی بے عزتی بھی کرے
تو یہ سزا اسی کوڑے ہے۔ سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَ
الْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَا
جْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اے ایمان والو! یہ شراب اور جواء اور بت اور جوئے کے
تیر سب ناپاک ہیں۔ شیطان کی کارستانیاں ہیں۔ سو بچو ان
سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔)

خدا کی طرف سے نازل کردہ اتنی سخت سزاؤں کا مقصد
صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح ہو، اور
مسلمان ہر طرح سے محفوظ رہیں۔ مقصد ہذا یہ ہے کہ اس
کے ماننے والے ہر طرح کی خرابیوں اور بدکاریوں سے محفوظ

رہیں اور نیک عمل کرتے رہیں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ چوری ڈکیتی، زنا اور شراب یہ ایسی بد خباثتیں ہیں جن کی گرفت میں ہر ذی روح آسکتا ہے سوائے اس کے جس پر خدا کا فضل ہو اور وہ ان برائیوں سے اپنے آپ کو بچاتا رہے۔ دراصل یہ شیطان کے ہتھیار ہیں جنہیں استعمال کر کے وہ خدا کے بندوں کو بہکانا چاہتا ہے۔ مگر حضرت رسول پاکؐ نے خدا کے فرمان پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین کی وجہ ہی سے معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ۔

"ایک بڑھیا سونے چاندی کے زیورات سے لدی ہوئی سفر کرتی ہے اور کوئی اسے لوٹتا نہیں" اور آج سعودی عرب میں نماز کے وقت تاجر دکانیں کھلی چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ حضرت رسول پاکؐ نے بھرپور کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے خدا کی طرف سے بتائے ہوئے ہر حکم پر عمل کریں تاکہ مسلمان ان کے نقش قدم پر چل کر فلاح پا سکیں۔ اور کامیابی حاصل کر سکیں اللہ کا یہ رسولؐ ہمیشہ اپنے رب سے یہی دعا مانگتا رہا پروردگار تو میری امت کے گناہ معاف فرما انہیں راہ ہدایت دے اور دنیا و آخرت میں انہیں کامیاب و کامران کر۔ ابھی ہم مسلمانوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگیاں خدا کے اس رسول کے اسوہ حسنہ کے مطابق بسر

کریں۔ تاکہ قیامت کے دن حضورؐ کا سر مبارک باقی انبیاء کرامؑ کے جھرمٹ میں سب سے سربلند ہو۔ آمین آپ کی روح مقدس آج بھی اُن سعید روحوں کا انتظار کرتی ہے جنہیں ان کے سہارے کی ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ماخذ مراجع ومصادر

- القرآن ترجمہ مولانا فرمان علیؒ
- القرآن " مولانا اشرف علی تھانویؒ
- القرآن " مولانا مودودیؒ
- القرآن " مولانا فتح محمد جالندھریؒ
- تفسیر ابن عباس
- نہج البلاغۃ
- تحفۃ العوام
- حیات الصحابہؓ
- بخاری شریف
- مسلم شریف
- مشکوٰۃ شریف
- مصباح المجالس
- تبلیغی نصاب

- سیرت النبی — شبلی نعمانی رح
- ترمذی شریف
- سنن ابو داؤد
- التفسیر الکبیر
- دیوان حسان بن ثابت
- مسند احمد
- سنن ابن ماجہ
- ابن کثیر
- احکام القرآن
- بیان القرآن
- فتح القدیر
- معارف القرآن
- شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے
- ہسٹری سیاسیات
- شکوہ جواب شکوہ
- الموطاء
- آلوسی
- رازی
- امام غزالی

- فتوح الغیب
- حجۃ اللہ البالغہ۔
- مفردات القرآن
- البدور البازغہ
- قصیدہ بردہ
- تفسیر قرطبی
- سیرۃ النبی سید سلیمان ندوی
- اسدی بحوالہ خازن۔
- احکام رمضان
- جائزہ نماز
- شرح الحسنہ
- المفردات فی غریب القرآن

ا۔ امداد ناشرہ

حکومتِ پاکستان سے منظور شدہ
اصلاحِ معاشرہ
مرزا محمد نوازش علی بیگ
بی ایس سی۔ ایم۔ اے (تاریخ) ایم۔ اے (سیاسیات)
بیگ پبلی کیشنز ریلوے روڈ جہلم